U02110

1-12-05

Title – Tamgha-E-Shaitani

Creator – Rashid Al Khairi.

Publisher – Ismat Book Agency (Delhi)

Date – 1936.

Pages – 98

Subject – Urdu Novel.

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری
طاء الرحمٰن صدیقی پیام مشرق بکڈپو جامع مسجد دہلی
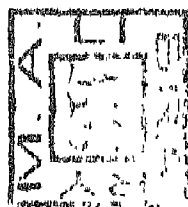
از

علامہ راشد الخیری

پہلا ایڈیشن

قیمت ایک روپیہ

پبلشر

عطاء الرحمٰن صدیقی۔ منیجر پیامِ مشرق بکڈپو
جامع مسجد دہلی
(الجمعیۃ پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملاء اعلیٰ کی تمام کائنات تسبیح و تقدیس میں سرگرم تھی۔ ملائکہ سربسجود، حوریں رکوع میں، غلمان دست بستہ، حکومت خداوندی کے نعرے لگا رہے تھے جنوں کی خونخوار فوج ایک فرشتہ کی سرکردگی میں فلک اوّل پہ مصروف کار تھی کراماً کاتبین کے آتشیں اسلحہ دوزخ میں دہک رہے تھے۔ لاتعداد منکر نکیر انسانی اعمالنامے بغل میں لئے خاموش کھڑے تھے۔ کوثر و تسنیم کے چشمے لہریں لے رہے تھے اور جنت الفردوس کے طائران خوش الحان ازلی و ابدی راج کے گیت گا رہے تھے۔

کائنات سماوی کی ہر شئے افکار حیات سے محفوظ تھی۔ اس کا مقصد حیات صرف عبادت تھا اور وہ اسی میں سرگرم تھی رنج جو انسانی زندگی کا لازمی نتیجہ ہے اس سرزمین سے کوسوں دور تھا۔ البتہ خدائی فوج کا کمانڈر انچیف اسرافیل فوجی وردی میں فوق الفطرۃ طاقت سے مسلح عرش معلےٰ کے باہر خاموش ٹہل رہا تھا۔

دوزخیوں کی داد ملانے جنت سر پر اُٹھا رکھی تھی اور ھل من مزید کے نعرے گونج رہے تھے۔ عزرائیلی گروہ روحوں کی کھیپیں کی کھیپیں لا رہا تھا گنہگاروں کی کثرت سے متعلقین دوزخ گھبرا گئے تھے۔ خدائی فریق علما، و فضلا کی صورت میں ہر چند اپنی کوششوں میں منہمک تھا مگر باغیوں کی شرارتیں روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھیں۔

زمین احکام الہٰی کو پاؤں سے روند رہی تھی۔ روحانیت کا نام و نشان مٹ رہا تھا، اور مادیت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ خدائی سپہ سالار شرائیل نے کئی دفعہ قصد کیا کہ درگاہ رب العزت میں عریضہ پیش کرے اور باغیوں کی سرکوبی کے احکام حاصل کرے مگر ہمت نہ ہوتی تھی۔ وہ اسی دھن میں پھرتا پھرتا چھٹے آسمان پر اپنے دوست اور درگاہ خداوندی کے مشہور دربان اسمائیل سے ملا اور کہا۔

ہماری خاموشی نے جو مجبوری سمجھی جا رہی ہے ہم کو جو دن دکھایا وہ مثال تاریخ میں جواب نہیں رکھتا۔ بغاوت عام ہو گئی انارکزم کی کوششیں گھر گھر سے نمودار ہو رہی ہیں۔ مخلوق فرنٹ ہو چکی۔ دشمن کا قبضہ ہماری مملکت پر کیا رعیت کے دلوں پر بھی ہو گیا۔ انسان جس کی پیدائش کا مقصد محض عبادت تھا بھول کر بھی شہنشاہ حقیقی کو یاد نہیں کرتا۔ عزازیلی فوج چپہ چپہ پر راج کر رہی ہے میں چاہتا ہوں کہ کسی وقت درگاہ ایزدی میں عرض کروں کہ دشمن کا سر کچلنے کی اجازت مرحمت ہو۔

اسمائیل: میں خود اس کو عرصہ سے دیکھ رہا ہوں اور کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ خون کے آنسو نہ گراتا ہوں مگر کس کی مجال ہے کہ دم مار سکے اور [illegible] کر سکے آج تمام دنیا میں عزازیل شیطان کی پرستش ہو رہی ہے، آبادی

کوئی حصہ اور زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جہاں اس کی فوج حکومت نہ کر رہی ہو خدائی ڈھیل نے اس کو اتنا شیر کر دیا کہ وہ پیغمبروں کی اولاد پر بھی قابض ہو گیا۔ یوں تو خدا کی تمام سلطنت ہی عزازیل (شیطان) کا کلمہ پڑھ رہی ہے مگر مسلمان تو اس بری طرح ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے کھاتے میں پینے میں، چلنے میں پھرنے میں، محفل میں مجلس میں شادی میں بیاہ میں، ہر مرد ہر عورت، اور ہر لڑکا اور ہر لڑکی اس کا نام رٹ رہا ہے آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اس ہفتہ کے ستّر لاکھ ستّر ہزار ستّر سو ستّر مسلمانوں میں صرف ستّر آدمیوں کو وہ بھی مر مر کر اور پیٹ پیٹ کر جنت میں جگہ ملی ہے رب العلمین کے عفو و کرم نے یہاں تک نوبت پہنچا دی کہ ہر مسلمان جنت و دوزخ کو ڈھکوسلا سمجھ رہا ہے۔ لمبی ڈاڑھیاں اور گٹے دار پیشانیاں کچھ ایسی سنگ دل ہوتی ہیں کہ پناہ بخدا! میں تو جس وقت اپر ہیزگار روح کو دیکھتا ہوں سمجھ لیتا ہوں دوزخی ہے عزازیل کی طاقت اس وقت دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی میرے اختیار میں ہو تو ابھی قیامت برپا کر کے اس کا قلع قمع کر دوں۔ آج دربار منعقد ہوا ہوگا اس کی تیاریوں کا حال تو ہم مدت سے سن رہے تھے بھائی میناسُیل کو تعینات کیا ہے کہ وہ وہاں شریک ہو کر مفصل کیفیت بیان کرے۔ لو وہ آ گیا۔

میناسُیل کے آنے کی خبر آناً فاناً ساتوں آسمانوں میں مشہور ہو گئی اسی وقت ایک باقاعدہ جلسہ کا اعلان کر دیا گیا۔ حوریں اور فرشتے جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ آسمانی کائنات میناسُیل کے لکچر کی اس قدر مشتاق تھی کہ ہجوم زدن میں مجمع کہیں کا کہیں پہونچ گیا۔ آٹھ بجے رات کو میناسُیل اسٹیج پر کھڑا ہوا اور کہا۔

عزازیلی دربار کا تزک و احتشام چشم انسانی نے اس سے پہلے کبھی

نہ دیکھا ہوگا اس کی تیاریاں کئی سال سے ہو رہی تھیں کمبخت عزازیل جو خود اور اس کی تمام ذریات ہماری جان کی دشمن ہیں۔ اس دربار میں جس شان و شوکت سے شریک ہوا میں الفاظ میں اس کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ سونے چاندی کا مرصع تخت جواہرات کی گود میں جگمگا رہا تھا۔ رنگ برنگ کے پھول جن کی خوشبو نے کوسوں تک ہوا کو معطر کر رکھا تھا۔ چاروں طرف مہک رہے تھے۔ دودھ کی نہریں لہریں لے رہی تھیں۔ خوش الحان پرند نغمہ سنجی میں مصروف۔ حسین دلیویاں رقص و سرود میں سرگرم۔ المختصر زمین کا ہر ذرہ جنت کا نمونہ تھا۔ شراب کے آبشار عزازیل کا ترانہ گار ہے تھے۔ اس کی رعیت اور فوج نے با آواز بلند اپنے بادشاہ کا نعرہ لگایا۔ جلوس آناً فاناً تمام دنیا میں سے پھرتا پھرا تخت زمردین تک پہونچ گیا۔ باجوں کی سریلی تانیں آسمان تک جا رہی تھیں آفتاب کے طلوع ہوتے ہی وزیر سلطنت نے اپنے بادشاہ کو سجدہ کیا اور عرض کرنے لگا۔

"شیطنت حضور! عورتوں اور مردوں!

ہم نے اپنے دشمن خداوند سے جو کہا تھا نہایت خوشی کی بات ہے کہ وہ پورا کر دکھایا۔ گو چند بد بخت ابھی دنیا کی آبادی میں ایسے مسلمان بھی موجود ہیں جو جنت کی امید پر زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے دل درد سے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں اور باوجود سخت کوشش کے ہم ان پر قابو نہ پا سکے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے ورنہ دل مسلم پر ہمارا تسلط ہو چکا اور ہندوستان میں تو اس سرے سے اس سرے تک مسلمان ہمارے جال میں کسی نہ کسی طرح گرفتار ہیں (چیرز۔ چیرز۔ چیرز)

میں اس وقت شیطنت حضور کے روبرو سات انسانوں کی تصویریں

پیش کرتا ہوں جنھوں نے خداوند کے قدیمی نمک خوار ہونے کے باوجود حقیقت کو پہچان لیا اور باغی ہو کر شیطنت حضور کی امت میں داخل ہوئے"۔
اتنا کہہ کر وزیر سلطنت نے متواتر سات سجدے اپنے بادشاہ کو کئے اور ایک تصویر سامنے رکھ کر اس طرح کہنا شروع کیا۔

پہلی تصویر

ہمارے مقصد کی کامیابی میں سب سے زیادہ مدد مسلمانوں کے اس گروہ کی شامل ہے جو رہبر و رہنما سمجھا جا رہا ہے۔ ہماری خوش قسمتی سے عام مسلمان خدا کی خوشنودی صرف نماز روزہ میں سمجھ رہے ہیں اور ہم ممنون ہیں مسلمان علماء کے جو حیات انسانی کے فلسفہ سے قطعاً ناآشنا ہیں اور مسئلہ کے اس پہلو پر کبھی توجہ نہیں فرماتے کہ خدا کی عبادت کا منشا اور احکام کی غایت کیا ہے مجھے اس امر کے اظہار میں جس قدر مسرت ہو کم ہے کہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے فرق کو قطعاً نظر انداز کر چکے اور ان کا اسلام گنتی کی تین چار باتوں میں محدود رہے۔

یہ مسلمان جس کو ہم اپنی امت میں شیطنت حضور کا خاص وفادار یقین کرتے ہیں اور اس قابل سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی بیش بہا خدمات کے صلہ میں شیطنت حضور کے دست مبارک سے تمغہ شیطانی حاصل کرے، نماز روزے حج وغیرہ کا آج بھی سختی سے پابند ہے۔

یہ وہ شخص ہے جس کی تہجد اور اشراق بھی کبھی ناغہ نہیں ہوتی۔
یہ وہ شخص ہے جو روز درود و وظائف میں صبح کے دس بجا دیتا ہے۔
یہ وہ شخص ہے جو رات کو سوتے سوتے تسبیح ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

یہ وہ شخص ہے جو چار دفعہ زیارت کعبۃ اللہ کر چکا ہے۔
یہ وہ شخص ہے جو ہر جمعہ کو سب سے پہلے جامع مسجد میں پہونچ جاتا ہے۔
اس کو راہ راست پر لانے میں ہم کو جس قدر دقتوں کا سامنا ہوا اس
کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ کئی سردار وقتاً فوقتاً تعینات کئے گئے لیکن یہ کسی
طرح نہ ڈگمگایا۔ آخر مجبور ہو کر میں نے خود اس کی طرف رجوع کیا۔

اس کے پڑوس میں ایک بیوہ رہتی تھی جو اس کی دور پرے کی شاید رشتہ دار
بھی ہے وہ اور اس کی جوان لڑکی اس کے ہاں کام کاج کرتی تھی۔ اور اس کے کام
کا بیشتر حصہ اور گھر کا قریب قریب تمام انتظام اسی لڑکی فرزانہ کے سپرد تھا
فرزانہ اور اس کی ماں چونکہ دونوں پردہ نشین تھیں اس لئے اس شخص کو مربی
سمجھ کر ٹہل کرتی تھیں اور پیٹ پالتی تھیں۔ مگر فرزانہ کی بڑھیا ماں جوان لڑکی کو
دیکھ کر سخت پریشان ہو رہی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ کوئی لڑکا شریف صورت مل جائے
تو نکاح کر دوں بڑھیا ماں کا کوئی لمحہ اس فکر سے خالی نہ تھا۔ بچی کو دیکھ دیکھ کر اس
کے ہوش اڑے جاتے تھے مگر کوئی بات ڈھنگ کی نہ ملتی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ
اس شخص سے جو مفتی صاحب اور متقی صاحب کہلاتے تھے۔ اپنی پریشانی کا
ذکر کیا۔ اس کے اظہار سے میرا مطلب یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی اس کی مصیبت
سے باخبر تھے۔ فرزانہ کی ماں اپنی تکلیف کے ہر حصہ اور مصائب و آلام کے ہر
ذرہ کو بچی کی جوانی پر قربان کر چکی تھی ایک لمحہ کے واسطے آنکھ سے اوجھل نہ کرتی
تھی چونکہ بارہ مہینے کی بیمار تھی اور زندگی کی کوئی امید نہ رہی تھی اس لئے اب اُس
کا ارمان ہر آرزو ہر خواہش اور ہر اُمنگ لڑکی کے نکاح میں محدود تھی خدا خدا
کر کے ایک پیام آیا۔ یہ لڑکا انٹرنس پاس اور چالیس روپے ماہوار کا ملازم تھا
اور بڑھیا کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے مفتی صاحب کا بھی عزیز سمجھ لینا چاہئے

مفتی صاحب کی بھی قریبی عزیز کی ایک لڑکی تھی جس کو بَر نصیب نہ ہوتا تھا اور اس کے والدین کی پریشانی میں تھوڑی سی شرکت ہمارے ان مفتی صاحب کی بھی تھی فرزانہ کی ماں نے نکاح کے تمام زبانی مراحل یعنی مہر، نان نفقہ وغیرہ طے کر کے تاریخ کے واسطے مفتی صاحب کا مکان تجویز کیا اور بہ منت مفتی صاحب سے درخواست کی کہ آپ اپنی سرپرستی میں بچی کے دو بول پڑھا دیجئے۔

مفتی صاحب یہ خبر سن کر دنگ رہ گئے۔ دولہا چونکہ بہت ہی نیک شریف اور ہنس مکھ لڑکا تھا۔ معاً ان کو اپنی عزیز بھتیجی کا خیال آیا اور انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ فرزانہ کے مقابلہ میں ریحانہ کو ترجیح دیں اور جس طرح ہو اس بات کو اُچک کر ریحانہ کا نکاح کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے فرزانہ کی ماں کو بلا کر اور خیر خواہ بن کر نان نفقہ وغیرہ کے متعلق حالات معلوم کئے اور دبی زبان سے یہ کہہ دیا کہ بیٹا بیٹی کا معاملہ عمر بھر کے ہوتے ہیں۔ اگر وہ مہر معجل پر راضی نہیں ہوتا تو چھوڑ دینی چاہئے گی" اتنا کہہ کر انھوں نے لڑکے اور اُس کے باپ کو بلا بھیجا اور الٹی سیدھی اکھڑی اکھڑی باتیں کر کے دو ایک اڑنگے فرزانہ کی ماں کی طرف سے لگا کر جھٹ اپنی بھتیجی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ریحانہ کے سامنے بیچاری فرزانہ کی حقیقت کیا تھی، دونوں باپ بیٹے باغ باغ ہو گئے اور ہمارے ان مفتی صاحب نے فرزانہ کی ماں سے اِدھر اُدھر کی باتیں بنا وقت مقررہ پر ریحانہ کا نکاح کر وا دیا۔

میں شروع ہی سے مفتی صاحب کی تاک میں تھا اس موقع پر میں نے اپنی کوشش میں کسر نہیں کی۔ اور میاں مفتی صاحب کے روزے نماز، تہجد اور وظیفے طاق میں لا دیئے۔

مفتی صاحب کی بیش بہا خدمات حق رکھتی ہیں کہ شیطنت حضور یہ تمغہ شیطانی اپنے مبارک ہاتھوں سے مفتی صاحب کو عطا فرمائیں۔ چیرز، چیرز، چیرز)

شام کو جس وقت فرزانہ کی ماں نے ریحانہ کا نکاح دیکھا تو ایک ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہوگئی اس کی خموشی نے مفتی صاحب کی عبادت کو ٹھکرا کر پھینک دیا۔ اور مفتی صاحب ہماری اُمت میں داخل ہوئے۔

اُن حالات میں بصد ادب مفتی صاحب کے لئے "تمغہ شیطانی" کی سفارش کرتا ہوں۔ "(چیرز۔ چیرز، چیرز)

چیرز کے بعد کچھ دیر سناٹا رہا اور اس کے بعد دربار شیطانی سے یہ فیصلہ صادر ہوا۔

مفتی صاحب کی یہ خدمت حقیقتاً ہمارے انعام کی مستحق ہے اور ایسے مسلمان ہماری اُمت کے منتخب افراد ہیں۔ مگر "تمغہ شیطانی" کا مستحق اس سے بہتر خدمات کا مسلمان ہونا چاہیئے مفتی صاحب کے واسطے ہمارا نشان وسطی تجویز ہوتا ہے۔"

دوسری تصویر

دربار شیطانی کے فیصلے نے کچھ دیر تک گرد و نواح کو خاموش کر دیا۔ اس کے بعد موسیقی کی باکمال دیویوں نے مجرے شروع کئے چاروں طرف سے راگ کی دلکش صدائیں بلند ہوئیں۔ پرند اپنے نغموں میں مصروف ہوئے۔ نہریں اور چشمے جو ساکت ہوگئے تھے اپنے بادشاہ عزازیل کا کلمہ پڑھنے لگے۔ شراب کے دور چلے۔ ہمارے خالق حقیقی کے خلاف رائیں دی گئیں۔ اور تمام پنڈال میں شیطنت حضور سلامت" کا متفقہ نعرہ بلند ہوا۔

اب پھر سناٹا چھا گیا۔ جب باجوں کی سُریلی صداؤں کے سوا ہر طرف خموشی ہوئی تو وزیر سلطنت نے اُٹھ کر سات سجدے کئے اور شیطنت حضور کی سلامتی"

کے تین نعرے لگا کر ایک عورت کی تصویر نکال اس طرح عرض کیا۔

"عورتوں اور مردوں"!

گو دوسروں کے دیکھا دیکھی یا مصلحت اور ضرورت سے مجبور ہو کر اب مسلمانوں نے بھی حقوق نسواں کے دعوے شروع کر دیئے ہیں اور وہ یہ کہہ کر اسلام نے عورت کی حمایت ہر مذہب سے زیادہ کی ہے دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں، کیونکہ ان کا عمل اس کے قطعاً خلاف ہے۔ اور مسلمانوں کا ادب بھی عورتوں کی جہالت، اُن کے ناقص العقل، غیر معتبر اور کنیز ہونے سے بھرا پڑا ہے مگر میں نے "تحفۂ شیطانی" کے واسطے اس گروہ کو بھی منتخب کیا، کہ یہ شیطنت حضور کے کرم سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ یہ تصویر ایک عورت کی ہے۔ جس کو رام کرنے میں مجھے خاص تکلیف ہوئی لیکن شکر ہے آقائے نامدار حضرت شیطان کا جن کے فضل سے مجھ کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی (تالیاں)

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میرے اوقات میں سب سے زیادہ جگہ خراش لمحہ وہ ہوتا ہے۔ جب گڑگڑاتے جاڑوں میں اُس وقت جب آفتاب دامنِ شب چاک کرنے کے قریب ہوتا ہے کسی مسجد سے صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہے۔ اور اس کو سن کر مسلمان سُوں سُوں کرتے دبکتے سکڑتے مسجدوں میں پہونچکر وضو کرتے ہیں۔ میں کسی نہ کسی طرح اس درد کی برداشت کر لیتا ہوں مگر یہ اذیت اس وقت لاعلاج ہوتی ہے۔ جب کوئی چھوٹا بچہ جو خدا کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ نماز میں شریک ہو کر اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں اسی طرح پھرتا پھراتا ایک محلہ کی مسجد میں گیا یہ محلہ خالص نمازیوں کا تھا۔ اور اس کی آبادی چار پانچ ہزار سے کم نہ تھی میں

سر کیا چلنے کے جاڑے تھے۔ عبادت پڑ رہی تھی اور باہر نکلنا ایک مصیبت
تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مسجد میں صرف دو نمازی تھے ان میں بھی
ایک لنگڑا جو صبح کی جماعت کے انتظار میں شام ہی سے مسجد میں آ سوتا تھا
لیکن غور سے دیکھا تو میرے قلب و جگر پر یہ دیکھ کر بجلی گر گئی کہ ایک لڑکی بھی
جو آٹھ نو سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ باپ کے ساتھ خواہ مخواہ نماز پڑھ رہی تھی ظاہر
ہے کہ ایسی لڑکی مرتے مرتے نماز نہ چھوڑے گی۔ میں نے اپنی طرف سے اس
کو ورغلانے کی بہت کوشش کی۔ مگر سب بیکار نکلی یہ جوان ہو کر کٹر نمازن بنی۔
میں نے ایسا بھی کیا کہ وقت پر اس کو وضو کے واسطے پانی نہ ملے۔ ایک موقعہ پر
میں نے اس کو اس قابل بھی نہ رکھا کہ اٹھ سکے یا بیٹھ سکے۔ مگر ان کے خدا نے
جو مراعات ان کو دے رکھی ہیں وہ کام آئیں۔ اسے پانی نہ ملا تو تیمم کیا۔ کھڑے
ہونے کے قابل نہ رہی تو بیٹھ کر اور اٹھنے کے لائق نہ رہی تو لیٹ کر نماز پڑھی کشتی
زبردست اور مقابلہ دلچسپ تھا۔ میں ڈگمگاتا تھا یہ اکڑتی تھی، میں پھسلاتا
تھا یہ سنبھلتی تھی۔ جب جوانی پورے ساز و سامان کے ساتھ اس پر مسلط ہوئی تو
میں بھی اپنے ہتھیار لے کر آگے بڑھا۔ میں نے اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ نہ
چھوڑا۔ قدم قدم پر اس کے واسطے جال بچھا دیئے۔ لیکن ہر موقعہ اور ہر محل سے
صابن کے تار کی طرح صاف نکل گئی۔ جب وہ وقت آیا کہ نئی دنیا میں داخل
ہو یعنی اس کی شادی ہو جائے تو میں سمجھا کہ اب دے پٹخوں گا۔ مگر یہ ایسی سُرتی
اور ہشیار تھی۔ کہ اس چکر سے بھی صاف نکل گئی اور مجھ کو قطعی مایوس ہونا پڑا۔ مگر
شدید لعنت حضور کا اقبال میرے ساتھ تھا۔ یہ ایسے شخص سے بیاہی گئی جس کی بیوی
دو سال کا لڑکا چھوڑ کر مری تھی۔ اور اس کے واسطے ایک مستقل کوفت تھی میں
اس کا رویہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ یہ اس کو دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹتی تھی، اور جس

وقت اس کا شوہر یعنی اس ننھے بچے فہیم کا باپ سلیم محبت کی نظر بچہ پر ڈالتا تھا تو اس کی جو کچھ کیفیت ہوتی تھی بیان نہیں کر سکتا۔

سلیم تھا تو للّا مگر وقت کے نشانہ نے اس کو بھی جدت کا زخمی کر دیا تھا سر تو وہ اب تک منڈاتا تھا اور گرمیوں میں تو شاید دو تین دفعہ مگر اس پر ترکی ٹوپی اور کالر ٹائی بھی کچھ کم پر لطف نہ تھی، ڈاڑھی ہمیشہ ناف سے سرگوشیاں کرتی تھی۔ انگریزی کا ایک حرف نہ آتا تھا اور انگریزی کیا عربی فارسی کا بھی بلکہ اردو کا بھی، لیکن زمیندار ہونے کی وجہ سے گول کمرہ میز کرسیوں سے اور باورچی خانہ چھری کانٹوں سے خالی نہ تھا۔ چونکہ انتہائی بدتمیز تھا اس لئے انگریز حکام دل لگی کے واسطے کبھی کبھی اور ان کی بیویاں مذاق اڑانے کے لئے سلیم صاحب کو بلا لیا کرتے تھے۔ خاں صاحب کا خطاب بھی تھا ایک رات کو جب کمشنر صاحب کی میم کلکٹر صاحب کی میم کے مہمان تھیں اور میز پر شہر کی معزز انگریزی مستورات کا مجمع تھا سلیم صاحب بھی مدعو کئے گئے چاروں طرف عورتیں تھیں بیچ میں حضرت سلیم تھے۔ ساٹھ سے اوپر عمر تھی۔ دکھائی بھی موٹا دیتا تھا۔ گاڑی سے اترنے لگے تو عینک نیچے گری اور ایک کمانی ٹوٹ گئی۔ بہت سوچا کہ کیا کروں مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی آخر ترکی ٹوپی کا خیال آیا۔ پھندنے میں سے ڈورا نکالتے تھے کہ سارا پھندنا ہاتھ میں آ گیا۔ میم صاحب نے آکر دیکھا تو خاں صاحب ننگے سر کھڑے کمانی باندھ رہے ہیں۔ سب نے آکر دیکھا تکنا اور ہنسنا شروع کیا۔ خدا خدا کرکے کمانی بندھی اور آگے بڑھے تو صاحب خانہ یعنی کلکٹر صاحب کی میم نے ہنس کر ہاتھ ملایا اور کہا کوٹ اتار کر یہاں ٹانگ دیجئے" بدقسمتی سے خاں صاحب اوور کوٹ کے نیچے تن زیب کی قمیض سلیے واسکٹ پہنے ہوئے تھے۔ میم صاحب کے حکم کی تعمیل تو کر دی، اوور کوٹ اتار دیا۔ مگر اندر کشمیرے کی پتلون پر میلی قمیض وہ بھی نہیں، بے پھندنے کی ٹوپی

ہاتھ میں سر منڈا ہوا لمبی داڑھی اتھر بھراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو میموں اور مسوں نے خوب تالیاں بجائیں کمشنر صاحب کی میم صاحب ہاتھ ملا رہی تھیں اور ان کے قہقہے کے جواب میں جو خاں صاحب کی ہیئت کذائی پر تھا خاں صاحب کو قہقہہ لگانا پڑا۔ اور ساتھ ہی عینک کا ڈورا ٹوٹ کر عینک نیچے گری تو خاں صاحب اور بھی جز بز ہوئے مگر اٹھانے کی ہمت نہ پڑی۔

کھانے کی میز پر پہلے سوپ آیا اس کے بعد ایک ایک کباب خاں صاحب کی بینائی عینک کے بل پر تھی، برابر والی میم کی پلیٹ میں ہاتھ ڈال کر کباب اٹھا لیا میم بھی دبیل نہ تھی ہاتھ پکڑ لیا اور چیخ کر کہا خاں صاحب یہ کیا؟"

اب تو خاں صاحب بہت ہی شرمندہ ہوئے۔ اور کہنے لگے معاف کیجئے غلطی ہوئی میں اپنی پلیٹ سمجھا۔"

میم "نہیں نہیں آپ کو کباب بہت پسند ہے۔ اور چوری کا بھی شوق ہے" اتفاق سے میم سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تھی۔ اور خاں صاحب جانتے بھی تھے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور سمجھے کہ چوری میں پکڑا گیا کہنے لگے۔

"حضور قسم وحدہٗ لاشریک کی ڈاکٹر کو دکھا لیجئے۔ یہ احیز تورات کا اندھا ہے"۔

میموں نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا خاں صاحب تشریف رکھیئے کھانا کھائیے۔

ننگا سر مہین قمیص، خاں صاحب کھاتے کیا خاک۔ جوں توں پیٹ بھرا۔ گھبرا تو رہے ہی تھے۔ مچھلی کا کباب ثابت منہ میں رکھ گئے۔ اور دو کانٹے حلق میں ایسے اٹکے کہ اُگل سکتے تھے نہ نگل، بولتے ہیں تو بولا نہیں جاتا۔ اشارہ سے پانی مانگا۔ تو اور قہقہہ لگا۔ پانی کا پورا گلاس پی گئے۔ مگر دونوں کانٹے بدستور جمے رہے حلق میں ہاتھ ڈال کر نکالنے لگے تو اُبکائی آئی اور جو کچھ اب تک کھایا تھا وہ نکلا۔ باہر اٹھ کر گئے تو دَف کر کے کتا پلٹا۔ ڈر کر پیچھے ہٹے تو خانساماں ڈونگے اور

پلیٹ لئے آرہا تھا اُس پر گرے۔ پیچھے برتن اُن پر خانساماں اور خانساماں پر خاں صاحب، اُبکائیاں لیتے ہوئے اور قے کرتے ہوئے کمشنر صاحب کی میم، خاں صاحب سے بہت ہی محظوظ ہوئی اور کہا۔

"ویل خاں صاحب آپ بہت اچھا آدمی ہے ہم بہت خوش ہوا"

خاں صاحب: "حضور کا کرم ہے، میں کس قابل ہوں"

میم صاحب: "ہم صبح پانچ بجے جائے گا ایک دفعہ آپ کو اور دیکھنا چاہتا ہے آپ اسٹیشن پر آئے گا"

خاں صاحب: "حضور آنکھوں سے"

میم صاحب: "آپ اپنا تصویر ہم کو بھیجئے"

خاں صاحب: "غریب پرور کل ہی لیجئے"

خاں صاحب نے اُلٹی قمیض میں کانپ کانپ کر کھانے، ملنے اور تعارف کے تمام مراحل طے کئے۔ گھر پہونچے تو نیند کہاں۔ صبح کی تیاری میں مصروف ہوئے بیوی کو حکم دیا کہ "غسل خانہ میں ہیر لین، کنگھی، بیسن، پاؤڈر، منجن، سب چیزیں ابھی سے رکھ دو اور دو بجے پانی گرم ملے اور دیکھو دیر نہ ہونے پائے"

خاں صاحب تمام انتظام کر کے لیٹے مگر ٹھیک دو بجے آنکھ لگ گئی تو چار بجے ہوشیار ہوئے۔ وقت دیکھتے ہی دم نکل گیا۔ گھبرا کر اُٹھے بیوی پڑی خراٹے لے رہی تھی۔ جل تو رہے ہی تھے پاؤں پکڑ کر گھسیٹ لیا اور وہ غریب دھڑام سے پلنگ کے نیچے آپڑی۔ سیدھے غسل خانہ پہونچے۔ وقت کی بات ہے بجلی بگڑ گئی اور ان کے داخل ہوتے ہی اندھیرا گپ ہو گیا۔ بیوی سے لالٹین منگوائی تو تیل نہ تھا۔ اندھیرے میں پاؤڈر کے بدلے کلوں پر خوب منجن ملا۔ اور اُلٹے سیدھے کپڑے پہن اسٹیشن پہونچے۔ میم صاحب منتظر تھیں۔ دیکھتی ہیں تو خاں

صاحب پہنچانے چلے آرہے ہیں۔ اور سفید ڈاڑھی پر سیاہ رخسار عجیب لطف دے رہے ہیں میم صاحب مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوگئیں اور کہا۔

"آپ نے اپنا منہ کیوں کالا کیا؟"

خاں صاحب نے ساری رام کہانی سنائی کمشنر صاحب کے بھی پیٹ میں بل پڑ گئے۔ گاڑی روانہ ہوئی تو خاں صاحب گھر پہونچے۔ اب صبح ہو چکی تھی۔ چلتے پھلتے اندر گئے تو بیوی سے ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔ وہ ہنس رہی ہے۔ یہ جبل رہے ہیں۔ منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو منجن چھوٹ رہا ہے۔ آئینہ کے سامنے آئے تو نور برس رہا ہے۔ غصہ میں آئینہ توڑا، صابن دانی پھینکی اور بیوی سے کہنے لگے۔

"تم نے جان کر میرا منہ کالا کیا"

بیوی "کیوں؟"

خاں صاحب: "یہ سُن کر کہ میم صاحب میری تصویر مانگ رہی ہیں"

بیوی: "اچھا تم منہ تو دھولو"

خاں صاحب: "اب منہ دھو کر کیا کروں گا جب میم صاحب نے کالا دیکھ لیا ہے۔ اب کس کو دکھانا ہے جو منہ دھوؤں؟"

اس طبیعت اور مزاج کے انسان ایک بڈھے بیوقوف شوہر سے ایک جوان، کچھ تھوڑی بہت سمجھدار بیوی کس قدر خوش رہ سکتی تھی۔ اور اس گھر میں مسرت کے کس قدر ڈھیر لگ سکتے تھے، ظاہر ہے۔

جب وہ وقت آیا کہ سلیم کی بیوی رضیہ جس کی تصویر کو شیلٹنت حضور کے ملاحظہ کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔ ایک بچے نعیم کی ماں بنے تو دونوں میاں بیوی یعنی سلیم اور رضیہ کی مسرت و محبت اور خواہش و ارمان کا مرکز نعیم اور رضیہ

نعیم رہ گیا۔ ان کے دن کا بڑا حصہ اور رات کی اکثر گھڑیاں بچے کی دیکھ بھال اور خدمت
میں بسر ہوتیں۔ وہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر چیز کو فراموش کر چکے تھے۔ لپٹتے
تھے، چمٹتے تھے، چومتے تھے، چاٹتے تھے اور اس گوشت کے لوتھڑے کو سر پر
رکھتے تھے آنکھوں سے لگاتے تھے۔ رضیہ کی مسرت میں البتہ ایک سا چیز خلل انداز
تھی اور وہ فہیم کا وجود تھا کیونکہ وہ دیکھتی تھی کہ سلیم کی محبت آمیز نظریں کبھی کبھار
اُچٹتی اُچٹاتی اِدھر بھی پہونچ جاتی تھیں اور شرکت کا یہ تیر اس کے دل کو زخمی کر دیتا تھا۔

سات سال کا زمانہ آنکھ بند کر کے گذرا اور یہ وہ وقت تھا کہ مُردہ فیروزہ کا
بچہ فہیم نویں اور زندہ رضیہ کی جان نعیم ساتویں سال میں تھا۔ ماں کی موت کے ساتھ
ہی جس نے فہیم کو ایک بیش بہا دولت سے محروم کر دیا۔ آج انسانی دنیا کا کوئی ذی
روح ایسا نہ تھا جو معصوم دل کو تازہ کر دیتا۔ رات کو یہ ننھی سی جان کڑکڑاتے
جاڑوں میں سردی سے بچنے کی کوشش کرتا تو فیروزہ کی مسہری کا بوسیدہ پردہ
اس کے لال کو اپنے دامن میں چھپاتا۔ گرمی کے پہاڑ سے دنوں میں جب وہ رضیہ
اور اس کے بچہ کی خدمت سے فارغ ہو کر چبوترہ پر جا بیٹھتا تو نیم کے وہ نمک خوار
پتے جن کو فیروزہ کے ہاتھ پانی دیتے تھے اس کی بے کس و بے بس نشانی پر اپنا
سایہ ڈال کر دھوپ سے محفوظ کر دیتے۔

شیطنت حضور! میرا دل باغ باغ تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ رضیہ کے
نامۂ اعمال میں یہ مظالم ایسا کلنک کا ٹیکہ ہیں جو اس کی دین و دنیا دونوں تباہ و برباد
کر دیں گے مگر جس طرح اس نے مجھے بچپن سے ٹھونک ٹھونک کر چلایا تھا اسی طرح
میری کوشش بھی یہ تھی کہ اس کے مظالم کا انبار اس قدر بھاری ہو جائے کہ کوئی
نیکی اس کو ہلکا نہ کر سکے۔ وہ مکان جس میں فہیم بدبخت پر رضیہ یہ مظالم توڑ رہی تھی
فیروزہ کا تھا۔ در و دیوار اپنے لاچار مالک کی حالت پر اکثر رو دیتے۔ زمین رضیہ

کے اس لال کی سمجھی جو سنگ دل باپ کی کمائی میں برابر کا شریک تھا یہ تماشا بس سرزمین پر ہو رہا تھا جس کے چپے چپے نے اسکی ماں فیروزہ کے قدم اپنی آنکھوں سے ملے تھے۔ شیطنت حضور! آسمان و زمین تھرا گئے جب اس کی معصوم خواہش کا جواب ایک سلگتی ہوئی چھچھوندر تھی جو رضیہ نے اس پر پکڑ کر پھینک دی۔

"سے"

بچہ جھلس گیا اور جھلسی کی وجہ سے چھچھوندر اسی کے اوپر چکر کھاتی رہی اور تمام بدن کی چربی نکل آئی۔

یہ رضیہ کا ایسا فعل ہے جس کا جواب ہماری امت کا بہتر سے بہتر انسان بھی نہیں دے سکتا۔ اور اس لئے میں بصد ادب۔ خواہش کرتا ہوں کہ تمغہ شیطانی کی مستحق یقیناً رضیہ ہے"

پنڈال میں تالیوں کی آواز گونجی، شاباش کے نعرے لگے اور تھوڑی دیر بعد دربار شیطانی سے یہ فیصلہ صادر ہوا۔

"ملا رضیہ بیگم [illegible] ہماری امت میں شامل ہونا خوشی کی بات ہے مگر اس کی ان خرافات کا سہرا اس کے شوہر سلیم کے سر ہے جس نے محترمہ رضیہ صاحبہ کو ہماری خدمت گذاری کا موقعہ دیا تاہم درجہ اول کا نشان رضیہ کو عطا ہوتا ہے۔

تیسری تصویر
ناکٹے والی بہری

رضیہ کا فیصلہ ہوتے ہی وزیر سلطنت نے کھڑے ہو کر ایک اور تصویر پیش کی

مگر ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ فضا رشیطانی میں قہقہوں اور تالیوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ یہ ایک ستر بہتر برس کی بڑھیا عورت تھی، رنگ نہایت سپید تھا مگر ناک اس قدر سرخ اور موٹی تھی کہ دیکھنے والے کو بے ساختہ ہنسی آتی تھی۔ غل غپاڑہ ختم ہوا تو وزیر نے اس طرح عرض کیا۔

شیطنت حضور! یہ تصویر ہندوستان کی مشہور عورت "ناکڑے والی بہری" کی ہے۔ اس نیک بخت کے اعضاء کی ساخت ہنسی کی پوٹ ہے کیونکہ اس کی ایک ناک کا وزن معمولی دو ناکوں سے کم نہیں۔ یہ خوش قسمتی سے بہری بھی ہے اور اپنے سوا کسی دوسرے کی نہیں سنتی۔ میں نے اس کی تصویر انسان بن کر اتاری کیونکہ باوجود اس پیرانہ سالی کے انتہائی چنچل اور چلبلی عورت ہے میں ڈرتا تھا کہ اگر جھکے سے تصویروں اور یہ بیچ میں قلابازی کھا جائے تو کیا کروں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ ایک "ذرا سیدھی طرف جھک جا" "شاید بھوکی ہو گی کہتی کیا ہے۔ شامی کواب؟" میں نے پھر کہا "ذرا سیدھی طرف جھک جا" اس نے غور سے سنا اور کہنے لگی "مچھلی کے؟ ہاں کھاؤں گی" میں نے اور چیخ کر کہا "ارے بی سیدھی طرف ذرا جھک جاؤ" اس نے بہت غور سے سنا اور بولی "اچھا کھچڑی بریانی لائے ہو لاؤ دیدو"! آخر میں جل گیا اور جھپٹ کر اس کو سیدھا کیا تو اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ کہہ کر چلدی کہ تم اتنے کھانا رکھو میں ذرا ہاتھ دھولوں" تو لینا مصیبت ہو گیا۔ بازار سے جا کر مٹھائیاں اور کچوریاں لا کر دیں کھا چکی تو خدا خدا کر کے یہ چنچلی بیٹھی اب جو دیکھتا ہوں تو گلے پھولے ہوئے۔ زبان باہر نکالے بیٹھی ہے۔ میں پھر چلایا کہ "سیدھی طرح بیٹھو نہیں تو میرا روپیہ دیدے۔ میں جاتا ہوں" جواب کیا دیتی ہے "اور کپڑے نہیں ہیں"! میں اور چلایا کہ پچیس روپیہ تصویر اتروائی دیئے۔ کھانا کھلایا تو اب کپڑوں کی جمارہی ہے؟ میں بگڑ کر پاس پہونچا اور خفا ہوا تو بولی۔

"خدا کی قسم بھائی صاحب کپڑے نہیں ہیں"

میں:" تو سیدھی طرح بیٹھ جا"

یہ۔" دوپٹہ بدل لوں"

میں:" پاگل ہے کیسا دوپٹہ۔ سیدھی بیٹھو

یہ:" ہاں ہاں سلائے سے آؤ"

اب تہذیب کی حد ہو چکی تھی۔ اور میں جھلس رہا تھا میں نے کہا۔ کیوں؟ چلّا رہی ہے۔ تصویر اتروانی ہے اُتروا۔ نہیں روپے اُلٹے پھیر"

یہ:" ہاں درزی کی دوکان تو پاس ہی ہے"

میں:" چپ"

یہ۔" بھائی جان ذرا چوٹی چار دل بھر ڈھیلی ہی رکھنا

میں:" چڑیل ایک تھپڑ اس زور کا دونگا کہ چہرہ پھر جائے گا"

یہ:" کیا؟ ساڑھی بھی لاؤ گے"

میں:" مر اُلو کی بچی۔"

یہ۔" ہاں ہاں لال رنگ کی۔"

میں۔" اب تو تصویر اتروانی ہے یا نہیں؟"

یہ۔" کنگھی بھی کر لوں"

میں۔" تشت اُلو کی بچی۔"

یہ:" ہاں ٹھیک ہے تم کپڑے لاؤ میں کنگھی چوٹی کر دوں"

میرے واسطے سخت مصیبت تھی کہ اس کے بناؤ سنگار اور کپڑے لتے کا انتظام کروں۔ خاموش کھڑا دل ہی دل میں بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ کہ یہ سٹ پٹا کر اٹھی اور کہنے لگی یہاں آؤ" میں دالان میں اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ یہ وہاں سے

ایک دروازے میں گھسی اور مجھ سے کہا "چلے آؤ" یہ مکار مجھے تہہ خانہ میں لے گئی اور وہاں اِدھر اُدھر دیکھ مجھ سے تو کچھ نہ کہا اور باہر نکل دروازہ بند کر کنڈی لگا سیدھی ہولی مجھے بند ہوئے کوئی پانچ گھنٹے ہو گئے بہتیرا چیخا پیٹا، غل مچایا، کنڈیاں کھٹکھٹائیں، مگر یہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ہاں اس کے ٹھٹھوں کی آوازیں میرے کانوں میں آتی رہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ خیر میں تو شیطان ہوں۔ لیکن یہ میری بھی خالہ نکلی۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک دیوار میں سے یہ نمودار ہوئی اور کہنے لگی۔

"بھائی جان بھوک لگ رہی ہے"

میں نے اُچک کر اس کی گردن پکڑ لی۔ اور یہ دھڑ سے نیچے آ پڑی مگر اس کے گرتے ہی تہہ خانہ میں اندھیرا چھا گیا۔ کیوں کہ روشنی فقط دروازہ کی تھی۔ دفعتہً میری پیٹھ پر ایک دو ہتھڑ پڑا۔ اور میں نے اسے بھاگتے دیکھا۔ میں بھی دوڑا۔ آگے آگے یہ اور پیچھے پیچھے میں۔ اس نے لپک کر برقعہ اوڑھا اور باہر نکلی۔ میں بھی ٹوپی پہن کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کے برابر سے ایک لڑکا سر پر جلیبیوں کا تھال لئے ہوئے نکلا۔ اس نے پیچھے سے تھال پھینک دیا۔ لڑکے نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑے میاں چُپ چاپ چلے جا رہے تھے۔ اس نے اُن کو پکڑ لیا، لوگ جمع ہوئے بڑے میاں لاکھوں قسمیں کھا رہے ہیں مگر لڑکا روئے جا رہا ہے اور نہیں سنتا۔ یہ چلتی اور بڈھے کی ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگی۔

اس سفید ڈاڑھی پر یہ حرکتیں؟ بچوں سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی؟ میں نے خود تم کو تھال پھینکتے دیکھا ہے"۔ اس کی گواہی پر مجمع بڈھے کے سر ہو گیا تین روپیہ دلوائے اور مار اپیٹا الگ۔ اب یہ ناکڑے والی مہری آگے بڑھی۔ میں ان کی اردلی میں حاضر تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ مغرب کے بعد ایک میت آتی ہوئی دکھائی دی۔ عزیز و اقارب رو پیٹ رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ ہو لی۔ اور میں اس کے پیچھے

پیچھے، قبرستان پہنچے تو قبر تیار تھی اور عشا کی اذان ہو رہی تھی لوگ میت کو قبر کے سرہانے رکھ نماز کو گئے۔ جب سناٹا ہوا تو یہ میت کے پاس پہنچی۔ اور چاروں طرف دیکھ میت کی چادر اتار چارپائی پر لیٹ گئی۔ جب میت والے نماز پڑھ کر لوٹے تو یہ کفن اوڑھے سیدھی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔۔۔

"آؤ آؤ آؤ"

اس کا نعرہ سن کر سب ڈرتے ہوئے بھاگے اور یہ لکڑی کھینچ ان کے پیچھے لپکی۔ وہ سب پریشان ہو گئے کہ میت میں کوئی سما گیا۔ اور ایسے بھاگے کہ پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔ اس نے آ کر بہ اطمینان توشہ کی روٹی حلوا اور خشکہ کھایا۔ پانی موجود نہ تھا گلاب کی بوتل جو قبر میں پڑتی پوری پی گئی اور چلتی ہوئی۔

شیطنت حضور! میں دعوے سے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہماری امت میں چند بھی عورتیں نا کرتی والی بہری کی طرح اور شریر ہو جائیں تو ہم چند ہی روز میں خدائی طاقت کا خاتمہ کر دیں۔ یہ وہ قابل فخر و مایہ ناز خاتون ہے جس کے دل میں انسانیت، رحم، خلق، مروت کا کبھی گزر ہی نہیں ہوا۔ یہ وہ جری و شجاع بی بی ہے جس نے حصول مقصد میں بچے اور بڈھے عورت، اور مرد، کمزور اور طاقتور کسی کی پرواہ نہ کی۔ یہ وہ بے مثل ہستی ہے جس کے وجود سے ذی روح دنیا کو ہمیشہ اذیت پہنچی۔ یہاں تک کے واقعات اس کی سفارش کا کافی حق رکھتے ہیں اس کے آگے جو کچھ ہوا وہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔

قبرستان سے پلٹ پھر کھرا یہ سیدھی گھر پہنچی اور شیطنت حضور کا پیرا دتی غلام کلمتی کی ہیئت میں اس کے ہمراہ رہا۔ اس نے گھر پہنچ کر مردانہ لباس پہنا، فرضی داڑھی مونچھیں لگائیں، توے کی سیاہی سے منہ کالا کیا۔ ہرن کے دو سینگ ماتھے پر لگائے اور برقعہ اوڑھ باہر نکل گئی۔ میں اس کے ساتھ تھا اس نے کئی گھروں

میں کھڑے ہو کر جھانکا۔ آخر ایک ایسے گھر جہاں چار پانچ عورتیں کوٹھے پر بیٹھی کچھ کپڑے اپنے سامنے رکھے گفتگو کر رہی تھیں۔ یہ داخل ہوئی۔ اس وقت کوئی مرد وہاں موجود نہ تھا۔ یہ اپنا برقعہ دروازہ میں پھینک کوٹھے پر چڑھی۔ اس کی صورت دیکھ کر جو بالکل دیو معلوم ہوتی تھی عورتیں چلاتی ہوئی بھاگیں اور ایک تو وہیں بیہوش ہو کر گر پڑی۔ اس نے کپڑے اٹھا کر بغل میں لئے اور چلی۔ عورتوں کے چیخنے چلانے سے پڑوس کے مرد دوڑے۔ یہ کوٹھے پر سے اتر رہی تھی کہ اس کا پاؤں پہلی سیڑھی سے رپٹا اور بار و بیلن کی طرح لڑھکتی ہوئی نیچے آئی۔ مرد بھی آ گئے یہ ادھر تو گری اوپر سے لکڑیاں پڑنی شروع ہوئیں۔ مردوں نے اس کا منہ کھولا سینگ گر پڑے تو پتہ چلا ناکڑے والی بھری ہیں۔

شکایت حضور! میں ناکڑے والی بھری کے استقلال کا مداح ہوں۔ مجھے چونکہ اس سے دلی ہمدردی تھی اس لئے میں اس کی گرفتاری سے پریشان تھا مگر یہ مردوں سے جو کھی لڑ رہی تھی، برقعہ اتر گیا، سینگ اکھڑ گئے، دانت نکل گئے، اور صاف صورت نکل آئی۔ مگر جو ایک کہتا تھا یہ اس کو دس سناتی تھی۔ ایک نو عمر لڑکے نے جل کر اس کے ایسا تھپڑ دیا کہ چہرہ پھر گیا۔ مگر یہ بھی نہ چوکی۔ ایک مرد اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اس نے وہیں کھڑے کھڑے اس نو عمر لڑکے کی کمر میں ایسی لات دی کہ چکرا کر گر پڑا۔ یہ یہی کہتی رہی کہ میں تو لڑکی بالیوں سے مذاق کر رہی تھی کیسی چوری اور کس کا ڈاکہ؟ دنیا جانتی ہے کہ میں مذاقن ہوں ایسے ایسے کپڑے تو میرے ہاں خدا جانے کتنے بھرے ہوں گے!! اس کے ساتھ ہمدردی تو کسی کو نہ تھی مگر اس کے بڑھاپے کا بعض آدمی احترام کرتے تھے اس لئے تجویز ہوئی کہ تنبیہ کے طور پر اس کو ایک آدھ روز حوالات میں رکھنا چاہئیے۔ تنبیہ ہو جائے گی۔ داروغہ جیل بھی اس کی زیارت کا مشتاق تھا۔ ہنس ہنس کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور سب نے مل کر زنانہ حوالات میں داخل کر دیا۔ چونکہ اس کی گرفتاری باقاعدہ نہ تھی اس لئے کوئی

اہتمام یا روک نہ تھی۔ دوسرا یا تیسرا روز تھا کہ سہ پہر کے وقت ایک مجرم عورت جیل خانہ میں مرگئی جیل خانہ والوں نے اس کو ایک چارپائی پر ڈال کر باقاعدہ اطلاع دی اور یہ معلوم کر کے کہ اس کا کوئی وارث نہیں طے کیا کہ اس کو قبرستان میں دبا دینا چاہیئے۔

چھوٹ پٹا ہوتے ہی ناکڑے والی بہری نے اپنا منہ کالا کیا اور اس کے کمرہ میں پہونچ مردہ الگ پھینک، آپ چارپائی پر کپڑا اوڑھ لیٹ گئی۔ دو قیدی چارپائی اٹھا کر لے چلے۔ اُن کے ساتھ ایک جمعدار تھا۔ ان دونوں کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اول شام تھی۔ قیدی چارپائی سر پر رکھے چلے جا رہے تھے۔ اور جمعدار سگریٹ پی رہا تھا کہ جنگل بیاباں میں یہ بی ناکڑے والی بہری کسمسا کر اٹھیں اور اٹھتے ہی آگے والے قیدی کے سر پر تھپڑ دیا۔ وہ جو پلٹ کر دیکھتا ہے تو مُردہ اٹھا بیٹھا ہے۔ دونوں چیخ کر بھاگے۔ آگے آگے وہ ان کے پیچھے جمعدار اور اس کے پیچھے مُردہ۔! عجیب پُر لطف نظارہ تھا، قیدی گر رہے تھے اور اٹھ رہے تھے۔ جمعدار بدنصیب کو ادھر تو آسامیوں کی فکر تھی اُدھر جان کے لالے تھے۔ جب تینوں کے تینوں غائب ہو گئے تو یہ چھٹکی اور اس نے اپنے گھر کا راستہ لیا۔

شیطنت حضور!۔ یہ خادم بھی اُس سرکار کے ساتھ اپنے تمام تعلقات چھوڑ چھاڑ خدمت میں حاضر تھا۔

ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ شہر میں درویش کامل تشریف لائے ان حضرت کا نام پیر زلفی تھا۔ کیونکہ اُن کی زلفیں کمر سے بھی نیچی تھیں۔ لوگ جوق درجوق جمع ہونے شروع ہوئے۔ پیر جی کی کرامتیں بچے بچے کی زبان پر تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خداوندکریم پیرین کر تشریف لے آئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ہر مراد پوری کرتا تھا۔ اور ہر وقت لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ یہ وہ جماعت تھی جس کا کام زندہ اور

مُردہ پیروں کی پرستش تھا۔ اس پیر کو عورتوں میں کامیابی کے واسطے ایک ماہر عورت کی ضرورت تھی۔ ناکڑے والی بھری نے اُن کا شہرہ سُنا تو وہ بھی پہونچیں۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر افعی۔ پیر جی نے بھری کو اور بھری نے پیر جی کو پہلی ہی نگاہ میں تاڑ لیا۔ دس بارہ لفنگے ہاتھ باندھے اور حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ ناکڑے والی بھری ڈولی سے اتریں۔

اچکوں کو بھری کے آنے کی خبر لگ چکی تھی کہ ایک آدمی نے آ کر کہا۔

بھری بیگم کی سواری آ رہی ہے۔

پیر جی نے ہزارہ تسبیح سنبھالی مریدوں نے صنوعی مراقبہ شروع کیا۔ بھری اتریں۔ تو سچ مچ کی بیگم بنی ہوئی، ریشمی برقعہ، ڈاسن کا بوٹ۔ ایک مُرید نے جلدی سے اُٹھ، اندر کے دروازہ میں تھوڑا سا پانی ڈال، کیچڑ کر خربوزے کے چھلکے ادھر اُدھر ڈال دیئے، پیر جی نے آنکھیں بند کر ہزارہ پھیرنا شروع کیا اور کبھی کبھی انکھیوں سے اسامی کو بھی دیکھ لیتے تھے اور پھر جھٹ سے "یا حبیب" کی آواز بلند کر دیتے تھے ناکڑے والی بیگم، زرق برق، گھبرا کر بڑھیں اور رسٹ پٹا کر چلیں تو چھلکے پر سے پاؤں رپٹا اور اس طرح گریں کہ ٹانگیں نیچے اور سر اوپر۔ برقعہ پھٹ کر لت پت ہو گیا۔ مرید بسم اللہ بسم اللہ کہتے آئے اور پیر صاحب آ کر فرمانے لگے:

"گرا کون اور گرایا کس نے"

" ایک مرید نے عرض کیا" حضور گرانے والے بھی آپ اور گرنے والے بھی آپ ہی۔"

پیر جی۔ "ہم تو فقط بیگم کو آزما رہے تھے۔"

اس فقرے پر لت پت بیگم نے برقعہ ہی سے آدھی آنکھ نکال کر حضور کو پہچانا اور حضور نے بیگم کو۔ حضور نے جھٹ اپنی لوئی دی اور کہا "بیگم یہ اوڑھو" اور بیگم

صاحب سکڑ سکڑا پیر جی کے سامنے آکر بیٹھیں۔

کسی پیر کی انتہائی شفقت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی کھائی ہوئی کوئی جھوٹی چیز مرید کے حوالے کرے، اور مرید کی عقیدت مندی کا انتہائی ثبوت یہ کہ وہ پیر کے عشق کو شیر مادر کی طرح نگل جائے اور پاکیزگی کے تمام جذبات فنا کر کے حضور کے عطیہ کو جنت کی نعمت سمجھے۔ پیر جی کو ثابت کرنا تھا کہ بیگم خاص الخاص مرید ہے۔ اس لئے جلیبی کا ایک ٹکڑا خود کھایا اور ایک بیگم کو دیا۔ مریدوں نے نعرہ لگایا نعمت! نعمت! نعمت!! بیگم نے ٹکڑا منہ میں رکھا اور مرید ہو گئیں۔ دوسروں کو دکھانے کو یا مریدوں کے دل پر سکہ جمانے کو کچھ اللہ رسول کی باتیں بھی، مگر ایسی کہ پیر جی اللہ میاں کے کوئی ساتھی اور رسول اللہ کے کوئی قریبی عزیز معلوم ہوں جو ایسے موقعہ پر اکثر ہوتی ہیں۔

پیر صاحب نے فرمایا۔

تمہارے آنے کی خبر تو ہمیں رات ہی کو بغدادی بھیا نے دیدی تھی ہمارا تو کام ہو چکا اب ہم یہاں کی ولایت تمہارے سپرد کر کے دو ایک روز میں چلے جائیں گے تم یہاں کا کام سنبھالو مگر دیکھو گڑبڑ نہ ہو۔"

بیگم:۔ "تو جو دال دلیا ہو آج شام کو غریب خانہ ہی پر قبول فرمائیے۔"

پیر جی "مگر دیکھو لہسن کی چٹنی ضرور ہو یہ سرکار کی میراث ہے۔ نذرانہ ہم کچھ نہیں لیا کرتے۔ یہ تمہارے بھائی بیٹھے ہیں ان کو جو توفیق ہو دینا۔"

اب نا کرنے والی پھر روانہ ہوئیں اور شہر شہر میں ڈھنڈورہ پیٹتی، پیر جی کی کرامت اور خدائی کے گیت گاتی چلیں۔ مریدی کا سودا تعلیم کی کمی کے سبب سے عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے جس نے سنا اور جو سنا ایمان لے آئی پھر ہر گھر میں ایک نئی کرامت بیان کرتی۔ اور چند جوڑتی۔ ایک جگہ اس نے کہا کہ "میرے تو ہوش اڑ گئے۔ خلیفہ نے آکر کہا "حضور دیگچی ہو چکا" ہنس کر فرمایا "برتن لاؤ" دوسرا

خالی برتن لایا گیا۔ حضور نے جھانک کر فرمایا "گھی تو موجود ہے"۔ برتن سب نے خالی دیکھا تھا۔ اب جو دیکھتے ہیں گھی بھرا ہوا ہے۔

دوسری جگہ کیا کہتی ہے۔ ولیوں کا نام تو بہت سنا تھا اب آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کل شام کو بیٹھے بیٹھے آنکھیں سرخ ہو گئیں، سر کے بال کھڑے ہو گئے منہ سے اتنے کف جاری ہوئے کہ میں ڈر گئی۔ خلیفہ جی نے کہا سب ہٹ جاؤ۔ وحی آ رہی ہے۔ جب حالت ٹھیک ہوئی تو فرمانے لگے۔ بھائی نصرد! موسیٰ بھی بہت ڈرپوک تھا بیہوش ہو گیا ہم تو اللہ سے اس طرح باتیں کرتے ہیں جیسے برابر کا یار۔ پہلے تو ہماری بات پوچھی نہیں اب پریشان ہوئے تو زلفی شاہ سوجھے، ملک موت کے سوا، ایک فرشتہ آسمان پر زندہ نہیں ہے۔ سارے کام یوں ہی کے یوں ہی پڑے ہیں۔ دیکھتے نہیں گرمی کے تین مہینے صاف نکل گئے ایک بوند نہیں پڑی کل کام اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے ہیں۔ میں اب کیا ہاتھ بٹاؤں۔ جیسا جیسا کیا ویسا بھرو۔ اس وقت یہی کہہ رہے تھے کہ بھائی زلفی جس طرح ہو تھوڑے سے فرشتے بھیجو۔ آسمان صفا چٹ پڑا ہے۔[1]

اتنا کہہ کر حضور نے قہقہہ مارا اور ہم سب دم بخود تھے کہ اٹھ کر قبرستان کی طرف چلے اور وہاں پہونچ کر حکم دیا۔ "سب آنکھیں بند کر لو خبردار جب تک ہم نہ کہیں مت کھولنا" ہم نے آنکھیں بند کیں، حضور نے چیخ کر فرمایا۔

"مُردو! باہر نکلو"

جب سب نکل آئے تو حکم دیا کبوتر بن جاؤ اور اُڑ جاؤ۔ ہم سے کہا آنکھیں کھول دو۔ ہم جو دیکھتے ہیں تو جھڑ کا جھڑ کبوتر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ سبحان اللہ"

غرض بی بہری نے دن بھر راگ الاپا اور چندہ جمع کیا۔ شام کو کئی جگہ سے

---

[1] نعوذ باللہ

کھانا آیا اور بیسیوں عورتیں زیارت کو جمع ہوئیں۔ پیر جی نے، ان کے مریدوں نے اس بہری نے، خوب ڈٹ کر کھانے اڑائے۔ اس نے آدھا چندہ خود رکھا اور آدھا خلیفہ کے حوالہ کیا۔ چلتے وقت عورتوں نے وہ بدعت مچائی کہ خدا کی پناہ کوئی ہاتھ چوم رہی ہے کوئی قدموں میں گر رہی ہے۔ ایک سجدے کر رہی ہے۔ دوسری رکوع میں پڑی ہے۔

پیر نے کسی کو دعا دی، کسی پر دم کیا، کہیں ہاں کی، کہیں ہوں کی غرض پیٹ اور جیب بھر چلتے ہوئے۔

پڑوس میں ایک بگڑے دل بھی رہتے تھے۔ کچھ تھوڑے سے بہت پڑھے لکھے بھی تھے اور قومی کاموں سے بھی تعلق رکھتے تھے مزاج میں تیزی بھی تھی اور شرارت بھی۔ ہر چند چیخے پیٹے، بہتیری مخالفت کی مگر مسلمان کیا ماننے والے تھے۔ وہ آؤ بھگت ہوئی، جدھر پیر جی نکل جاتے تھے اور جس گھر میں پہنچ جاتے تھے گویا خداوند کریم ہی کا ظہور ہو جاتا تھا۔ پیر ہر فن مولا ہوتے ہیں چنانچہ زلفی شاہ حکیم بھی تھے اتفاق سے ایک عورت دعوت کرنے آئی اور عرض کیا میری لڑکی کا نکاح ہے حضور کھانا میرے ہاں کھائیں۔ بہری ساتھ تھیں انھوں نے سفارش کی حضور نے منظور فرمایا حکم یہ تھا کہ ہم سے جو عورت پردہ کرے وہ دوزخی ہے سرکار نے نئی عورت کی صورت دیکھ کر کہا "تم کچھ بیمار معلوم ہوتی ہو"۔ عورت نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا ظاہر میں تو کوئی شکایت نہیں" سرکار نے فوراً نبض پر ہاتھ ڈالا اور کہا "تم سخت بیمار ہو دل دھڑکتا ہے۔ نیند کم آتی ہے بھوک بھی کھل کر نہیں لگتی"۔ عورت جواب میں ہاں کے سوا کیا کہہ سکتی تھی۔ قبض کی شکایت کی۔ حضور نے ایک گولی قبض کشا حوالہ کی اور فرمایا۔ "دوا برائے نام ہے اصل میں دعا ہے۔ جا اچھی ہو گئی"۔

عورت گھر پہنچی تو مہمان بھرے ہوئے تھے اور برات کے آنے کی تیاریاں

ہو رہی تھیں۔ پانی سے کوئی نہ گلی۔ کوئی جمال گوٹہ کی تھی، دست چھوٹ گئے اور کوئی گھنٹہ بھر میں دس بارہ آئے۔ دھان پان تو پہلے ہی تھی دستوں نے اچھو کر دیا برات آ گئی، سمدھن اور مہمان دلہن کی اماں کو آوازیں دے رہے ہیں اور وہ لوٹا ہاتھ میں لئے پاخانہ کے پھیروں پہ پھیرے کر رہی ہیں۔ سمدھن نے غل مچایا تو آئیں مگر پیٹ پکڑے ہوئے اور سانس رکے ہوئے۔ جوڑا چڑھاوا سامنے رکھا تھا۔ دولہا کی ماں نے کہا آئیے یہ ملاحظہ فرمائیے، لیکن اتنی سکت کہاں تھی کہ بیچاری سے چلا جاتا تھا چکر آیا اور سمدھن پر اس زور سے گریں کہ وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ مہمان "مر گئی مر گئی" کہہ کر دور بھاگ گئے دلہن غریب اندر کوٹھری میں دبکی بیٹھی ہول رہی ہے کہ ماں کو کیا ہوا گرمی قیامت کی تھی۔ اندر کوٹھری میں ہوا کا گذر نہیں۔ اس پر گھونگٹ اور بھاری کپڑے! ماں کی یہ کیفیت سن اور بیہوشی دیکھ لڑکی کو بھی غش آ گیا اور مہمانوں نے کہا۔

"ارے ماں بیٹیاں کدھر گئی ہے"

ادھر بیٹی پڑی ہے اُدھر اماں اور مہمان زور سے مچا نا سا تیوناک کر کوئی ہنس رہا ہے کوئی افسوس کر رہا ہے۔ مصیبت یہ ہوئی کہ بیہوش ماں کا جمال گوٹہ رنگ لایا۔ اور فرش پر چاندنی خراب ہوئی سمدھنیں بھی اور مہمان بھی ناک بند کئے دور کھڑے تھے کہ بدبخت کو ہوش آیا اٹھی تو شرمندہ آنکھ سامنے نہ ہوتی تھی۔ پیر جی کو دل میں دعائیں دے رہی تھی۔ کہ دولہا کے آنے کا غل ہوا عورتیں دولہا کو دیکھنے گئیں اور اماں جان لوٹا لے کر دوسری طرف مردانہ میں نکاح کی جلدی ہو رہی ہے اور زنانہ میں یہ گذر رہی ہے۔ وہاں دلہن کی اماں کے نعرے لگ رہے ہیں اور دلہن کی اماں پاخانہ میں تشریف رکھتی ہیں۔ بی مہری نے آکر فرمایا: "نکاح پیر جی پڑھانے بیٹھ گئے"۔ دولہا کا نام مقبول خاں تھا دلہن کا قبول بیگم پیر جی نکاح پڑھانے بیٹھے

مگر حقیقت یہ ہے کہ پیری کے باپ کو بھی نکاح پڑھانے کا اتفاق نہ ہوا تھا خطبہ تو بڑی چیز ہے۔ دولہا دلہن کا نام پوچھ کر نکاح پڑھانے بیٹھا تو کیا کہتا ہے۔

اللہ اللہ اللہ۔ رسول اللہ۔ وہ اللہ سب اللہ مقبول قبول قبول قبول۔ دم! دانگو سلا

شیطنت حضور! میں تو پیٹی بھری کا ذکر کر رہا ہوں ادھر تو نکاح ہو رہا ہے اور یہ ایک بڑا پرس کی بچی کو جو زیور میں لدی ہوئی تھی اٹھا لے گئی مکان کے پیچھے تالاب تھا سارا زیور اتار بچی کو تالاب میں پھینک دیا اور سب کو چھوڑ چھاڑ چلتی ہوئی۔

"میں نے فوراً اس کی تصویر اتاری اور کہہ دیا کہ تیرے راز کا مجھے علم ہے اگر تصویر میں دیر کی تو ابھی افشا کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ تصویر پیش کر کے سفارش کرتا ہوں کہ منتخبہ تصویروں کا اعلان ہو چکا ہے تاکڑے والی بھری کو عطا ہو۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ

بے شک تاکڑے والی بھری ہماری خاص عنایت کی مستحق ہے
لیکن تمغۂ شیطانی کے واسطے اس سے بھی اعلیٰ و ارفع خدمات کی ضرورت ہے۔

دربار شیطانی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد کچھ دیر سناٹا طاری رہا۔ آخر وزیر جنگ سامنے بیٹھا تھا تو ذرا کھڑا ہوا اور اس طرح دست بستہ عرض کرنے لگا۔

شیطنت حضور! کائنات کی یہ تین بہترین تصویریں جو میں نے تمغۂ شیطانی کے واسطے پیش کیں، اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے بے مثل تھیں اور حق یہ ہے کہ ان ہی نادر الوجود عورتوں کی بدولت ہماری حکومت کا ڈنکا بج رہا ہے اگر ہماری امت میں ایسے افراد نہ رہیں یا نہ ہوتے تو یقیناً خدائی

فوج ہم پر کبھی کی غالب آچکی ہوتی اور ہمارا قلع قمع ہو جاتا۔ ہماری سلطنت کا سہرا ان ہی حضرات کے سر ہے اور ان ہی کے طفیل ہم دُنیا پر راج کر رہے ہیں۔ یہ وہ مایۂ ناز ہستیاں ہیں جن کی صورت دیکھ کر خدائی فوج یعنی فرشتے کوسوں دور بھاگتے ہیں میں سمجھتا تھا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک بجائے خود "تمغۂ شیطانی" کا بہترین مستحق ہے مگر فیصلۂ عزازیلی کے سامنے کس کی مجال ہے کہ دم مار سکے۔ اب میں بصد ادب یہ تصویر پیش کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ جوان مسلمان جس کی خدمات بیمثل و بینظیر ہیں، ضرور کامیاب ہوگا اور "تمغۂ شیطانی" کے حصول کی عزت اسی کو حاصل ہوگی۔ (چیرز۔ چیرز۔ چیرز۔)

چوتھی تصویر

شیطنت حضور! یہ بڈھا جس کی جوان تصویر شیطنت حضور کے پیش نظر ہے ہندوستان کا رہنے والا موتیوں کا تاجر ہے۔ یہ اپنے باپ کی تجارت اور داداکی دولت کے طفیل روپیہ اور اشرفیوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے بچپن کا بڑا حصہ صنوبر کے ساتھ جو اس کی ہم عمر اور دفتر کے میر منشی کی لڑکی تھی بسر ہوا۔ یہ یعنی شمس اور صنوبر پائیں باغ میں دن رات کھیلتے تھے۔ فراست دولت سے متعلق نہیں، صنوبر کی سنجیدگی بچپن ہی سے اپنے مستقبل کا اور شمس کا چھچھورپن اوائل عمری سے اپنے انجام کا پتہ دے رہا تھا۔ صنوبر صبح کے وقت شمس کے ساتھ پھول توڑتے میں، درختوں پر چڑھتے میں، اچھلنے کودنے میں، گلدستے بنانے میں مصروف رہتی مگر نسوانی خودداری کا رشتہ جو اس کی سرشت میں تھا ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ شمس دوپہر کے وقت گھر اس کے گھر بنانے میں نہر سے پانی لینے میں، ہار گوندھنے میں

صنوبر کے ساتھ لپٹا رہتا لیکن تمکنت جو پھول کا خاصہ ہے اس سے جدا نہ ہوتی۔

گرمی کی ایک صبح کو جب بارہ تیرہ برس کا شمس اور نو دس برس کی صنوبر روش پر بیٹھے چشمے کی روانی میں منہمک تھے۔ گلاب کے ایک تختے سے بلبل کا ایک نالہ بلند ہوا۔ بلبل گلاب کے پاس بیٹھی ہوئی دورِ گذشتہ کے وصال کو یاد کر رہی تھی پھول کو چومتی تھی اس کے منہ پر منہ رکھ دیتی تھی اور حالتِ وجد میں بیتابانہ تڑپ تڑپ کر فریاد بلند کرتی تھی۔

دونوں اس کی کیفیت کا مطالعہ کر رہے تھے۔ مگر آج اُن کے معصوم ذہن بلبل کے جذبات سمجھنے سے قاصر تھے۔ ہوا کا جھونکا زور شور سے آیا اور سبزہ کا ایک چھوٹا سا تنکا شمس کی آنکھ میں جا پڑا۔ کھٹک لمحہ بہ لمحہ بڑھی اور تکلیف زیادہ ہونے لگی۔ تو صنوبر نے اپنی اوڑھنی کی بتی بنا کر تنکا نکالا۔ شمس کی تکلیف جاتی رہی تو اس نے ایک پھول توڑ کر صنوبر کی مانگ میں رکھ دیا اور کہا "یہ تمہاری عنایت کا شکریہ ہے۔" صنوبر نیچی نگاہ کر کے خاموش ہو گئی۔

اب پردہ کی دیواریں دونوں کے بیچ میں حائل ہوئی مگر صنوبر ایک ایسی ادا کے بعد روپوش ہوئی جس کی یاد شمس کو اکثر اذیت پہونچاتی تھی۔

دن گذرنے لگے اور وہ وقت بھی آیا کہ شمس اٹھارہ انیس[19] سال کا ہوا۔ اور صنوبر سولہ سترہ سال کی۔ باغ کے اندرونی حصہ میں میر منشی صاحب کا چھوٹا سا مکان تھا۔ شمس بہت سی توقعات اپنے دل میں لئے باغ کے کسی نہ کسی حصہ میں پہونچ جاتا اور خاموش واپس آ جاتا۔ اس کی افسردگی اور خاموشی ماں باپ کے علم میں تھی۔ وہ اکلوتا اور لاکھوں ہی ماں باپ کا بچہ تھا اور اس کی شادی کے چرچے گھر گھر میں ہو رہے تھے۔ اونچے اونچے گھرانوں کی لڑکیوں کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا مگر یہ

کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکتا تھا کہ صنوبر اس کی اہل ہے۔ بمجبور شمس نے ایک عزیز کے ذریعہ سے ماں کو مطلع کیا اور بتایا کہ اگر اس کی شادی صنوبر سے نہ ہوئی تو وہ خودکشی کرلے گا۔

صنوبر اور اس کے ماں باپ متموّل تو نہ تھے مگر دولتِ علم سے مالا مال تھے شمس اور اس کے والدین پڑھے لکھے خاک نہ تھے مگر دولت اتنی تھی کہ پھاوڑوں کاٹے بھی ختم نہ ہو۔ صنوبر کا نام سنتے ہی شمس کی ماں سناٹے میں رہ گئی اور اس نے فوراً کہا

"کیا شریف زادیاں دُنیا سے اُجڑ گئیں جو صنوبر سے نکاح کردوں؟"

مقابلہ دولت و علم کا نہ تھا نخوت و انسانیت کا تھا۔ جب شمس کو یقین ہوگیا کہ ماں باپ میری خواہش کو نظر انداز کررہے ہیں۔ تو وہ خود صنوبر کے باپ کے پاس پہونچا۔ اور پیام دیدیا۔ باپ نے بیٹی سے مشورہ کیا۔ اور یہ جواب دیا۔

"پیامِ نکاح" تمہارا جائز حق ہے اور شرع اسلام نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم جس سے درخواست کرو۔ مجھے بھی اس رائے سے متفق ہونے میں تامل نہیں مگر ہم سب جس میں صنوبر بھی شامل ہے تمہاری دولت سے ڈرتے ہیں اس کا نشہ اتنا زبردست ہے کہ انسان آسانی سے نہیں سنبھل سکتا۔ صنوبر غریب ہے غریب ماں باپ کی بیٹی، تم امیر ہو امیر کے بیٹے۔ بہرحال ہم کو مہلت دو کہ اس پر اور غور کریں۔"

شمس کی حالت روز بروز ردی ہورہی تھی اس کے سامنے ہر وقت صنوبر کے ابتدائی واقعات تھے۔ اس کا بچپن اس کی بھولی باتیں اس کی سنجیدگی۔ لمحہ بھر کو بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتی تھیں۔ اس نے انتہائی کوشش کی اور جب صنوبر کے والدین کو اس کی صداقت کا یقین ہوگیا تو نکاح کردیا۔

مگر شمس کے والدین نے صنوبر کو منہ نہ لگایا۔ مگر اس نے اپنی طرف سے ادائیگی فرائض میں کسر نہ چھوڑی۔

ہمارے ساتھ شمسی تعلقات اسی جگہ سے شروع ہوتے ہیں صنوبر اپنی خدمت اور اطاعت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتی مگر شمس کے خیالات بدل گئے وہ اس کی اطاعت کا جواب نخوت سے، محبت کا نفرت سے، اور خدمت کا حقارت سے دینے لگا۔ نکاح کے بعد سسرال یا شمس کے گھر صنوبر ایک دن کو بھی نہ آئی اس لئے کہ بلائی ہی نہ گئی کیونکہ شمس کے والدین نے اس نکاح کو نکاح تصور کیا نہ اس بہو کو بہو شمس کے وعدے اور دعوے سراب وحباب تھے۔ چند روز بعد نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ گھنٹوں گھنٹوں سے دنوں، اور دنوں سے راتوں غائب ہونے لگا صنوبر کی یہ ناکامی خلاف توقع نہ تھی۔ اس کو یہ دھڑکا پہلے ہی سے اور یہ کھٹکا شروع ہی سے تھا لیکن اس کی شرافت نے اس کو کبھی مایوس نہ کیا۔ وہ رات رات بھر اور دن دن بھر اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی۔ ایک لڑکی قمر جو شمس کے ابتدائی دعوؤں کی یادگار تھی اس کی مونس و مددگار تھی اور باوجودیکہ منشی صاحب کے گھر میں اس کی وجہ سے ہر وقت چہل پہل تھی۔ اور ماں کے ساتھ نانا نانی بھی اس پر پروانہ تھے، دغاباز باپ اور دولت مند دادا دادی نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی اس کو نہ دیکھا یہ شمس کی محبت کا وہ دور تھا کہ کبھی بھولے بسرے آٹھویں ساتویں گھڑی دو گھڑی، آیا اور دنیا کے دکھانے کو الٹی سیدھی دو چار باتیں کر کرا سیدھا ہولیا۔ صنوبر نے بارہا شمس کو اس کی لاپروائی پر متوجہ کیا۔ مگر اس نے اس کان سنا اس کان اڑا دیا لیکن شمس کا یہ انقلاب صنوبر کی حالت میں تغیر پیدا نہ کرسکا۔ وہ اس کے انتظار میں صبح کا کھانا شام کو اور شام کا صبح کو کھاتی اور کوشش کرتی کہ اس کی حالت کرب کا پتہ ماں باپ کو نہ لگے مگر جو مرض اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا اس نے جان پر بنا دی۔ ہٹی جیسا ڈیل سوکھ کر کانٹا، اور طباق سا چہرہ سپی رہ گیا۔ شمس اور اس کے ساتھ اس کے دوست آشنا جو اس کے تجربوں

سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے ہر وقت صنوبر کی کاٹ میں رہتے اور سب سے
بڑی مصیبت ماں باپ کی ناخوشی تھی جنہوں نے اتنی اجازت بھی نہ دی کہ صنوبر
کا ذکر تک گھر میں آ جائے۔ شمس کا بیشتر حصہ آوارگی اور لغویت میں گذرتا۔ وہ
بائسکوپ میں جاتا۔ تھیٹر میں رہتا اور بازاری مشغلوں میں وقت گذار دیتا لیکن
اس کے قیمتی وقت میں بیوی اور لڑکی چند لمحے بھی بار گراں تھے۔ دوستوں کی
صلاح اور ماں باپ کے اشارہ سے اس نے شہر سے باہر ایک کوٹھی میں سکونت
اختیار کی۔ میسر نفتی علیحدہ کئے گئے اور اس جنگل بیابان میں صنوبر اور اس کی
بچی کہنے کو شمس کے ساتھ ورنہ تن تنہا رہنے لگے۔

اس وقت صنوبر کی بچی قمر تین ساڑھے تین برس کی تھی اور اس غضب
کی باتیں کرتی تھی کہ رستہ چلتے پیار کرتے۔ وہ ماں سے زیادہ باپ سے مانوس
تھی اور گو یہ سنگ دل اس کو بعض دفعہ سختی سے جھڑک دیتا۔ مگر بچی خدا جانے
خون کا جوش تھا یا خصوصیت کہ جہاں اس نے گھر میں قدم رکھا اور یہ بچی ہوئی
پہونچی۔ کبھی ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کو پنکھا جھلتی اور کبھی چھوٹی چھوٹی انگلیوں
سے بوٹ کے بند کھولنے لگتی۔ لیکن اس محبت کا کوئی ذرہ بھی شمس پر کارگر نہ ہوتا
ایک روز شاید آدھے دن اور ساری رات کے بعد گرمی کے موسم میں دوپہر کے
وقت شمس گھر میں داخل ہوا۔ صنوبر حسب عادت پیچھے کھڑی ہو کر پنکھا جھلنے لگی
قمر ڈھونڈ ڈھانڈ کر تھرماس لائی مگر سنگدل باپ نے اس معصوم کے جذبۂ محبت
کی مطلق قدر نہ کی اور تھرماس کے منہ پر کھینچ ماری۔ اس کے ماں باپ نے کئی
دوست احباب نے بھی یقین دلایا تھا کہ قمر کا وجود اس کے واسطے مصیبت
ہے وہ جب چاہے صنوبر کو دھتکار سکتا ہے مگر بچی اس کے لئے سانپ کی
چھچھوندر ہے غالباً یہی وجہ تھی کہ بعض دفعہ شمس اس کی صورت سے اسباب [illegible]

کرتا اور چاہتا کہ کسی طرح یہ بلا بآسانی ٹل جائے اور میرے عیش میں جو کانٹا اس کا کھٹک رہا ہے وہ خاموشی سے نکل جائے

شام کا جھٹ پٹا وقت تھا۔ شمس بخار میں لوہتا پڑا تھا۔ صنوبر نماز مغرب ادا کرکے خدائے برتر کے حضور میں گڑگڑا گڑگڑا کر شوہر کی صحت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اور پیاری قمر اپنے نازک اور معصوم ہاتھوں سے باپ کے پاؤں دبا رہی تھی۔ وہ کبھی رومال سے اس کا پسینہ صاف کرتی تھی کبھی ہاتھ سے مکھی اڑاتی تھی اور کبھی ادھر ادھر دیکھ کر کہ کوئی دیکھتا نہ ہو اس کو پیار بھی کرلیتی تھی۔ شمس کا ہاتھ پلنگ کی پٹی سے نیچے گرا ہوا تھا کہ گھاس میں سے ایک سانپ نمودار ہوا اور قریب تھا کہ شمس کو چاٹ لے کہ قمر کی نظر سانپ پر پڑی۔ وہ سانپ اور اس کے زہر کو مطلق نہ سمجھ سکتی تھی مگر اتنا جانتی تھی کہ یہ میرے باپ کو کاٹ کر جگا دے گا اور اس کو تکلیف ہوگی۔ یہ سوچ کر پلنگ سے اتری اور سانپ کا پھن پکڑ لیا۔

کالا سانپ بچی کے قبضہ میں کیا رہ سکتا تھا ایک ہی پھنکار میں نکل گیا۔ غصہ میں بے قابو ہوکر دوسری ہی پھنکار میں قمر کو ڈس لیا۔ ماں کی نظر بچی پر اس وقت پڑی جب سانپ کاٹ چکا تھا۔ روئی اور چلائی لیکن اس کی آواز سے شمس اٹھ بیٹھا مگر سانپ چلا گیا تھا۔

شیطنت حضور! میں نے دنیا میں مختلف اقسام کے انسان دیکھے مگر اس شخص کے واقعات جس قدر دردانگیز ہیں اسی قدر تعجب انگیز مجھے صنوبر سے دلی عداوت تھی کیوں کہ یہ ہمارے دشمن خدا کی عبادت اپنا فرض اولین سمجھتی تھی لیکن شمس کے مظالم اس قدر سنگین تھے کہ مجھے اس بدبخت سے دلی ہمدردی پیدا ہوگئی"

شیطنت حضور! میری رائے میں کسی مذہب کی وہ توفیق جو فطرت

انسانی کے خلاف ہو یقیناً اس مذہب کی وقعت کو مجروح کر رہی ہے۔ کس قدر ظالم ہوگا مسلمانوں کا وہ مولوی وہ عالم یا لیڈر، جو اس موقع پر صنوبر کو صبر کی تلقین کرے گا اور چونکہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محال نہیں تو مشکل ضرور ہے بلکہ مجھے کہنا چاہیئے اور میں کہتا ہوں کہ محال ہے، ناممکن ہے اس لئے اپنے بھولے بھالے مخاطب کا دل پگھلانے کو اسے مذہب کے دائرہ میں گھسیٹ لے گا کیوں کہ یہی ایک شئے ہے جو کام بنا سکتی ہے واسطہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور اپیل کارگر ہیں اسے تلزم نہیں ٹھہرآتا۔ اس غریب نے یہی پڑھا ہے اور اس کے مطالعہ میں وہی جھوٹی سچی کتابیں رہی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور جن کا وجود ضرورت کے تحت ہیں ہوا اور جنھوں نے حدیث اور قرآن کا فرضی جامہ پہن کر مسلمانوں کے ایمان کی صورت اختیار کی۔

مگر یہی وہ لوگ ہیں جو ہماری کشتی کے ناخدا، ہماری کامیابی کا باعث اور زندگی کا سہارا ہیں۔ علماء قریب قریب سب ساتھ ہیں اور عامۃ المسلمین تو حق یہ ہے کہ ان کی بدولت ہمارا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

(چھیڑ نہ ــ ــ چھیڑ نہ ــ ــ ــ چھیڑ نہ)

وہ پہلا لمحہ جب صنوبر کی آنکھ ڈستی ہوئی بچی پر پڑی اتنا بیش قیمت تھا کہ کائنات کی کوئی شئے اس کا معاوضہ نہیں کر سکتی اور وہ پہلی نظر جو شمس کی اس بے ہوش بچی پر پڑی جس کا دم واپسیں تھا دنیا کی ہر لعنت و ملامت سے بدتر تھی اس مرغی کی طرح جو اپنے بچوں کو لئے کھلے میدان میں پھرتی ہے اور دفعۃً جب چیل جھپٹا مار کر ایک کو لے جاتی ہے تو اپنی پوری طاقت سے پرواز کرتی ہے۔ کہ بچہ کو چھٹا لے، اس دشمن کی مانند جو مدتوں کی کوشش اور تگ و دو کے بعد غالب ہو کر حریف کو خنجر سے زخمی کرتا ہے اور اس کے خون سے یا ع

باغ ہوتا ہے، ان دونوں بیوی میاں صنوبر اور شمس نے قمر کو دیکھا۔ ماتا کی ماری
صنوبر جھپٹی اور بچی کو گود میں لیا۔ سنگ دل شمس یہ دیکھ کر کہ سانپ نے کام تمام کیا
بجائے رنج و صدمے کے اس خیال سے کہ باپ کتنا خوش ہوا۔ بچی کی موت
پر باپ کی مسرت تعجب انگیز و حیرت افزا یا مشکل محال ہے۔ اور ہماری تہذیبانی
دنیا شاید اس کا آسانی سے یقین نہ کر سکے لیکن انسانی دنیا میں زندہ باپوں کے
اعمال اور مردہ ماؤں کی قبریں اس کی شہادت دیں گی کہ ایک نفس کا غلام مرد
کس طرح اولاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ المختصر صنوبر کے سینہ پر قیامت کا گھونسا لگا
اور ماتا کی ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی اس نے بچی کا سر ہاتھ پر لیا اور کروٹ
میں دیکھا تو سانپ لہرا لہرا کر جا رہا تھا۔ ایک مجبور و لاچار ماں ڈسی ہوئی لڑکی کو
گود میں لئے بیٹھی ہے۔ اور چاہتی ہے کہ میری بچی کے جانی دشمن کا کوئی سر کچل دے
اس کی خاموش آنکھیں التجا لے کر شوہر کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں مگر ہونٹوں
کی مسکراہٹ دیکھ کر مایوس ہوتی ہیں۔ سانپ چلا جاتا ہے قمر بیہوش ہوتی ہے صنوبر
گم سم اور شمس پسینہ پوچھتا ہوا نیچے آ پڑتا ہے۔

میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ قمر اپنی معصومیت کا شکار ہوئی اس کا پاک
جذبۂ انسانی دنیا میں کس قدر و قعت کے قابل تھا معلوم ہو گیا اس نے صرف
اس لئے کہ جانور کی وجہ سے بیمار باپ کی نیند نہ اچٹے سانپ کو ہاتھ میں
پکڑ لیا۔ عقل سلیم کے واسطے یہ تخیل نہایت جگر خراش ہے۔ مگر اس کا اثر اس
باپ پر جس پر بھولی بھالی بچی قربان ہوئی۔ یہ ہوا کہ ایک خاموش مسکراہٹ اس
کے منہ پر آئی۔ اور مسرت کی ایک انتہائی لہر اس کے چہرہ پر دوڑنے لگی۔ صنوبر اس
موقع پر بھی میری ہزار نفریں اور ملامت کی مستحق ہے کہ اس کا یہ ظالم شوہر پلنگ
سے اٹھا تو اس خیال سے کہ بیمار ہے کہیں گر نہ پڑے بچی، اور کیسی بچی ؟ ڈسی

ہوئی بچی کو چھوڑ کر اس کے سہارے کے واسطے کھڑی ہوئی۔ یہ وہ وقت
تھا کہ شمس کا بخار اُتر چکا تھا اور دل باغ باغ۔ اس نے بچی کی نبض دیکھی
مدت سے کف جاری تھے اور اثر پوری طرح سرایت کر چکا تھا موت نے کچھ
زیادہ وقت نہ لیا۔ شمس وہی کہتا رہا۔ کہ بڑا زہریلا سانپ ہے یہ اسی گھاس
میں رہتا ہے" اور قمر دنیا سے رخصت ہوئی۔

شمس کے پاس اس کے نوکر چاکر تھے اور دو چار نہیں تو دو یا تین
سے بھی ایک آدھ موجود تھا۔ واقعہ کے بعد اگر وہ فوراً ہی کوشش کرتا
تو ڈاکٹر یا حکیم کا آجانا ممکن تھا مگر قمر کی موت شمس کی دیرینہ آرزو تھی اور اسے
پورا یقین تھا۔ کہ صنوبر کو پامال کر چکنے کے بعد اس کی نئی زندگی میں اگر
کوئی کھٹکا ہے تو قمر کا، مجھ کو مفصل داستان بیان کرنے کی ضرورت
نہیں۔ قمر کے بعد شمس نے صنوبر کے ساتھ کیا کیا وہ بھی میرے بیان
سے باہر ہے۔ مجھ کو صرف اتنا کہنا ہے کہ ایک معصوم بچی کی قربانی
کا معاوضہ اس باپ کی درگاہ سے جس پر وہ نثار ہوئی مسرت بے
پایاں تھی اور صرف یہی وہ فعل ہے جس کی وجہ سے میں اس شخص کو خطاب
شیطانی کا مستحق سمجھتا ہوں۔

مملکت بیجاپور کے مشہور قصبہ عرفان آباد میں آج بھی قمر کی قبر موجود ہے
جس پر اس کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ باپ بخار میں بے ہوش
پڑا ہے سانپ اس کی طرف بڑھتا ہے اور ننھی بچی اس موذی جانور سے
باپ کو بچانے کے لئے اپنی جان قربان کرتی ہے۔

شیطنت جنسو ختم۔ اس تصویر کو مرمت ہونا کہ ان لوگوں کی حوصلہ
افزائی ہو اور ہم اس جنگ میں خدا کے رحم اور انسان کی انسانیت کے

غالب آ سکیں۔"

تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد دربار کا یہ فیصلہ صادر ہوا۔

"لاریب! یہ شخص ہمارے انعام کا مستحق ہے مگر تمغۂ شیطانی اس قدر ارفع و اعلیٰ انعام ہے کہ اس کے واسطے اس سے بہتر خدمات کی ضرورت ہے۔"

پانچویں تصویر

دربار شیطانی کا فیصلہ سننے کے بعد وزیر جنگ ساتی کی تیوری پر کچھ بل سا آگیا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

شیطنت حضور! میں نے معاشرت اسلامی کے منتخب کرداروں کی تصویریں پیش کیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی انعام کی مستحق نہ ٹھہری۔ میں دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ ہماری حکومت کی بنیاد ان ہی بے ایمانوں کے اعمال و افعال پر قائم ہے۔ اگر سرکار اسی طرح ان کی خدمات سے اغماض فرمائیں گے۔ تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے مقاصد کی تکمیل مشکل ہو جائیگی دشمن کی طاقت کمزور نہیں ہے۔ اور صرف ہندوستان ہی میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ ان میں لاکھوں ایسے ہیں جو ہر وقت خدا کا نام جپتے ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جن کی زبانیں بظاہر خاموش ہیں مگر ان کے دل خدا کی برتری کے معترف ہیں۔ ہم نے اگر اپنے انعام وسیع نہ کئے اور ان کے دل نہ بڑھائے تو یہ بددل ہو کر ہماری مملکت کو خیرباد کہیں گے اور اس حکومت کی طرف رخ کریں گے جن کی فوقیت کا سبق

ان کا مذہب دے رہا ہے۔

بہر حال میں ایک اور تصویر پیش کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اس سے بہتر انسان ہماری اُمّت میں مشکل سے نکلے گا۔

یہ شخص مولوی بھی ہے، حاجی بھی ہے، حافظ بھی ہے، عالم بھی ہے اس کا پورا نام شاید دو سطروں میں ختم ہوگا۔ احترام کا کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس کے نام کا جزو نہ ہو۔ مگر حضور کی شیطانیت کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ ہم نے ان خطابات کی وہ مٹی پلید کی ہے کہ اب کسی شخص کو مقدس کہہ دینا ہی اس کی بدمعاشی کا پورا ثبوت ہے میں سرکار کے سامنے اصل سے دور ہو کر ایک لطیفہ بیان کرتا ہوں۔

"موسم گرما کی چاندنی رات میں ایک شخص اپنے تربوز خربوزوں کی رکھوالی کررہا تھا کہ اس نے دور سے ایک گردن ابھری ہوئی دیکھی اور چیخ کر کہا کون ہے اتنا سنتے ہی گردن دبک گئی۔ مگر کچھ دیر بعد دوسری جگہ نمودار ہوئی تو اس نے بآواز بلند کہا "اجی حافظ صاحب" سر پھر غائب ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد اور جگہ اُبھرا۔ رکھوالا ابھی تاک میں تھا وہیں سے ڈانٹ کر کہا "اجی مُلّا جی صاحب" پھر اسی طرح گردن غائب ہوئی اور وقفہ دے کر اور جگہ دکھائی دی۔ تو اس نے چلا کر کہا "اجی مولوی صاحب" پھر وہی صورت پیش آئی اور چوتھی دفعہ دکھائی دی تو اس نے آواز دی "اجی حاجی صاحب" اب تو وہ شخص نبیبن (؟) پورسامنے آکھڑا ہوا اور حافظ سے کہنے لگا یہ تو بتاؤ کہ تم کو کیوں کر معلوم ہو گیا کہ میں حافظ بھی ہوں۔ مُلّا بھی ہوں مولوی بھی ہوں۔ حاجی بھی" حافظ نے کہا" یہ کام ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں۔ دوسرا نہیں کر سکتا"

شیطنت حضور کا شکریہ کہ ہماری کوششوں نے ان القابوں اور خطابوں کی یہ وقعت تو کر دی اور اگر سرکار کا کرم رہا تو وہ وقت دور نہیں ہے جب مسلمان ان لوگوں سے ہزاروں کوس دور بھاگیں گے۔

تو یہ تصویر اس شخص کی ہے۔ جو ہمہ صفت موصوف تھا اتنی لیاقت قابلیت کی وجہ سے یہ مفتی کے عہدہ تک پہونچا یعنی سب جج مقرر ہوگیا۔ میں اس کی بابت صرف اتنا کہہ کر اب دربار شیطانی کو ہندوستان کے مشہور شہر شاہجہاں آباد کے ایک نہایت ہی معزز خاندان کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ یہ وہ خاندان ہے جس کے اعزاز کا اعتراف سر سید مرحوم نے آثار الصنادید میں کیا ہے اس خاندان کی لخت جگر قیصر جہاں بیگم جس کی قابلیت حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے واسطے قابل فخر تھی جب جوان ہوئی تو اس کی شادی دلی کے اس مشہور خاندان میں ہوئی جس کی طبابت ہندوستان سے باہر بھی فن کا ڈنکا بجا رہی ہے۔ میاں بیوی کچھ عرصہ تک خوش و خرم رہے اور اس کے بعد دیدے بدلے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے جان وایمان کی دشمن قیصر نابکار نے شوہر کی بے اعتنائی پر انتہائی صبر کے جلوے دکھائے اور شوہر کے ظلم پر شکر کی گردن جھکائی۔ یہاں تک کہ وہ جائداد جو اس عورت کو جہیز میں ملی تھی شوہر کے نام منتقل کر دی مگر جب وہ وقت آگیا کہ اس گھر میں دوسری عورت مالک کی حیثیت سے داخل ہو کر اس کو لونڈی بنائے تو قیصر چند روز کی اجازت لے کر میکے چلی گئی۔

میں چونکہ عالم الغیب نہیں ہوں اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ تحفظ آبرو خدمت یا مصلحت حکیم صاحب کے سامنے کیا چیز تھی کہ وہ قیصر کے بلانے پر مُصر ہوئے مگر قیصر کی نسوانیت شوہر کی اس رائے سے متفق نہ ہو سکی فریقین

شہر کے معزز و متمول افراد تھے نوبت عدالت تک پہنچی اور ہندوستان کے قریب قریب تمام معزز وکیل اس مقدمہ میں شریک ہوئے۔ حکیم صاحب کا دعویٰ زوجیت کا تھا اور قیصر کا خلع کا۔ حکام مجاز نے یہ سمجھ کر کہ شرعی فیصلہ میں غلطی نہ ہو دونوں مقدمے ان بزرگ کے سپرد کئے جو سب کچھ تھے۔

خلع کی تائید میں ہر ممکن کوشش سے کام لیا گیا مگر ہمارے سب جج صاحب متوجہ نہ ہوئے۔ جب وہ ذات آئی جس کی صبح قیصر کے مستقبل کا فیصلہ کرتی تو اس کے باپ کی درخواست پر دلی کا وہ گنہگار جو حقوق نسواں کی حمایت میں کافرین چکا ہے جج صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میں اور آپ زمانۂ طالب علمی میں برسوں ساتھ رہے مگر مفتی ہونے کے بعد میں نے آپ سے تعلقات قائم رکھنے ضروری نہ سمجھے۔ آج گیارہ سال بعد آپ سے گفتگو کر رہا ہوں اور بصد ادب عرض کرتا ہوں کہ اگر قیصر کو آپ نے اس کے جائز حق سے محروم کیا اور وہ چیز جو اسلام نے مرحمت فرمائی آپ نے غصب کی تو نتیجہ کی ذمہ داری آپ پر ہوگی!

اس مفتی نے جو ہمارے ذخیرہ کا بیش بہا جوہر ہے مسکرا کر کہا۔

"مولانا آپ کا فرمانا درست مگر اتنا سمجھئے آج اگر میں خلع کو جائز کر دوں تو ہندوستان میں آگ لگ جائے گی۔ عورتیں قبضہ میں نہ رہیں گی۔ ہزاروں دعوے دائر ہوں گے اور مسلمانوں کا اطمینان بے اطمینانی سے بدل جائے گا۔"

اس زمانہ کا مشہور اخبار کرزن گزٹ" تھا جو دلی سے شائع ہوتا تھا۔ دس برس سے پہلے اس کی ایک غیر معمولی اشاعت نے قیصر کے

ارتداد کا اعلان کیا۔ اور مس فلپ کی تصدیق ارتداد نے جج صاحب کی اس زبان کو جو زوجیت کی ڈگری کرنے والی تھی خاموش کر دیا۔

ارتداد فرضی تھا چند روز بعد قیصر کی شادی ایک نہایت مشہور علمی شخص سے ہوئی۔ آج قیصر، حکیم، جج سب قبروں میں ہیں مگر قیصر کا بڑا لڑکا جو بی اے ایل ایل بی ہے۔ اس مفتی کو دعائیں دیتا ہے کیوں کہ اس کے آنسو کسی طرح بھی ماں کے دھبے کو نہیں دھو سکتے۔

شیطنت حضور اس شخص نے ارتداد کی بنیاد رکھی۔ خلع کے سلسلہ میں جس قدر ارتداد ہو رہے ہیں ان کا سہرا انہی کے سر ہے۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ "تمغۂ شیطانی" اس شخص کو مرحمت ہو۔"

حسب دستور سناٹا تھا تا آنکہ دربار کے ان الفاظ نے خموشی کو توڑا۔

"درست ہے ٹھیک ہے اور یہ شخص ہمارے کرم کا یقینی مستحق ہے مگر تمغۂ شیطانی کے واسطے اس سے افضل خدمات کی ضرورت ہے۔"

چھٹی تصویر

وزیر جنگ کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا ارکین دربار پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا کہ اس نے اپنا سر اٹھایا اور عرض کیا۔

شیطنت حضور! گزشتہ صدی میں تمغے کی تقسیم نے اس قسم کی پیچیدگیاں اختیار کی تھیں۔ یہ صدی صرف مسلمانوں کے واسطے مخصوص سی لگتی تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر ترقی اس قوم نے ہماری سرپرستی میں کی اس کی نظیر دوسری قوموں میں مشکل سے ملے گی مگر ان بیچاروں کی بدبختی ہے

کر کیسے کیسے عدیم المثال افراد حضور کے کرم سے محروم رہے۔ اب میں ایک ایسی مسلمان عورت کی تصویر پیش کرتا ہوں جو میری رائے میں سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کامیاب ہستی یقیناً تمغہ حاصل کرے گی۔ مگر اس کے حالات شروع کرنے سے قبل اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ترقی کا اندازہ حالت کے اعتبار سے کیجئے۔ یہ وہ قوم ہے کہ دور اوّل میں دنیا کی ممتاز قوم تھی اور اپنے کارناموں سے ایک جہاں کو مسخر کر رہی تھی۔ اس کا عالم نسواں آج بھی صفحات کی تاریخ میں چاند کی طرح روشن ہے۔ عائشہؓ فاطمہؓ، رابعہؒ، خدیجہؓ، خولہؓ آغوش اسلام سے ایسی بیبیاں پیدا ہوئیں کہ کارزار حیات نے ان کے قدم چومے۔ یہ علم و فضل میں، اخلاق و عادات میں اقوال و افعال میں، انسانیت کے بہترین نمونے تھے۔ میدان جنگ نے ان کی نسوانیت کے ڈنکوں پر سر دُھنے ہیں اور دشمن کے ہتھیاروں نے ان کی شجاعت کو سجدہ کیا ہے۔ یہ اس وقت کی عورت ہے۔ اور اشد ضرورت ہے کہ فیصلہ کے وقت شد طنت حضور اس کا مقابلہ قرن اولیٰ کی عورت سے کریں۔

یہ لکھنؤ کے خاندان شاہی کی مشہور بیگم نواب قمر زمانی ہیں ان کی عمر اسّی سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ انگریزی حکومت کی وجہ سے ان کو کمشنر اور کلکٹر کی میموں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوتا ہے مگر بچپن کی عادات و خصائل قوم کے ساتھ ہیں۔ غدر کے دنوں کے زمانہ میں گورنر صاحب کی میم نے زنانہ دربار منعقد کیا اور نواب قمر زمانی مجلس استقبالیہ کی صدر ہوئیں۔ ۱۴ نومبر کے دن، چار بجے دن کا وقت مقرر تھا ۱۳ تاریخ کی شام کا ذکر ہے۔

بیگم صاحبہ:- ارے سوسن اور گلشن! چنبیلی موتیا!! ارے سب مر گئے اری اور غنی! ادھر تو آ کمبختوں مہینہ مہینہ بھر سے بیٹھ رہی تھی کہ چودہ کو

جلسہ میں جاؤں گی آج کونسی تاریخ ہے"؟

مونیا: "بیگم صاحب ہم کو تاریخ کی کیا خبر۔ ہم کسی کی سالگرہ تھوڑی کر رہے ہیں"۔

بیگم صاحب: "ڈونا مراد۔ تو یوں ہی اُلٹے سیدھے جواب دیا کرتی ہے اری لاٹ صاحب کے ہاں جلسہ ہے درو غہ جی کو بُلا کر تاریخ پوچھ"!

سوسن: "بیگم صاحب وہ تو نماز کو گئے اس وقت کہاں"!

بیگم صاحب: "کمبخت یہ کونسی نماز کا وقت ہے"؟!

سوسن: "سرکار وہ تو دو گھڑی دن رہے سے مسجد میں چلے جاتے ہیں اور اشاں کے بعد آتے ہیں"!

بیگم صاحب: "تو چڑیل کسی اور کو بُلا کر تاریخ تو پوچھ۔ جا۔ مرزا کو لا"!

مرزا جی: "حکم سرکار"!

بیگم صاحب: "مرزا! او مرزا! ارے مرزا"!

مونیا: "شاید چلے گئے"۔

بیگم صاحب: "اتنی جوتیاں ماروں گی کہ بھیجا پلپلا ہو جائے گا۔ مردار بات کرنے کو بلایا تھا یا منہ چھپانے کو" چلے گئے"! "بُلا مردود کو"۔

مرزا: "جی حضرت"

بیگم صاحب: "حضرت کے بچے کہاں چلا گیا تھا۔ آج کونسی تاریخ ہے"؟

مرزا: "سرکار ذرا بڑے استنجے کو چلا گیا تھا"!

بیگم صاحب: "ارے آج کیا تاریخ ہے"؟

مرزا: "تاریخ"!

بیگم صاحب: "کہہ تو رہی ہوں۔ تاریخ! تاریخ"!

بیگم صاحب: "بہشت پاگل۔ ارے چاند کی نہیں انگریزی"

رجب: "بھلا سرکار مجھے انگریزی کی کیا خبر!"

بیگم صاحب: "جا باہر سیٹھ جی کی دوکان پر پوچھ اور دن بھی پوچھنا آج کیا دن ہے؟"

رجب: "سرکار! آپ کو ایسا کام کیا ہے؟"

بیگم صاحب: "ارے بے ایمانوں مجھے جلسہ میں جانا ہے۔ میں ہی تو صدر ہوں"

سوسن: "اے ہے بیگم صاحب! توبہ! آپ کیوں خدا نہ کرے شمر ہونے لگیں وہ تو محرم میں نکلتا ہے"

رجب: "سرکار یاد آیا وہ جلسہ تو آج ہو چکا۔"

بیگم صاحب: "بے ایمانوں اچھی اچھی ہانک رہے ہو۔ تاریخ کا پتہ چلا؟"

رجب: "چلا کیوں نہیں۔"

بیگم صاحب: "کون سی ہے؟"

رجب: "چاند کی بیس"

بیگم صاحب: "لعنت خدا کی کمبخت۔ انگریزی؟"

رجب: "سیٹھ جی کہتے ہیں ٹھیک تاریخ تو ڈاک خانے سے معلوم ہوگی آج تیرہ ہے یا چودہ مگر جلسہ ہو چکا۔"

سوسن: "سرکار یہ پچھلی آتش بازی کی چھوٹ ہے۔ جلسہ آج ہی تھا ہو چکا"

رجب: "اندھی ہے آتش بازی سے پتا لگتا ہے"

"واہ رے عقل! سرکار مردانہ جلسے آج ہی تھے اور آپ صاحبوں کے یہاں زنانہ جلسہ کل ہے"

بیگم صاحب: "خوب یاد دلایا ہے"

داروغہ ": جی ہاں سوسوسے تو آج ہوا ہے۔

بیگم صاحب ": چلو ری ادھر آؤ! داروغن! کمخواب کے بڑے پائنچوں کا پائجامہ اس پر دیکھو پہیم سا ہے یا نہیں لمبی کوٹھری کے بڑے صندوق میں ہے اور ہاں وہ کارچوبی والی ذرا دونوں لاکر دکھاؤ۔"

سوسن ": سرکار اس پاجامہ پر تو وہ قیر دزی کرتہ کھلتا۔

بیگم صاحب ": کونسا ؟"

سوسن ": وہ جو کھو یا گیا۔"

بیگم صاحب ": خیر تم یہ تو لاؤ۔" اری کم بختوں گھنٹہ بھر ہو گیا لاؤ نا ؟"

سوسن ": سرکار! کنجیاں نہیں ملتیں

بیگم صاحب ": داروغن کنجیاں کہاں ہیں ؟"

داروغن ": بھلا سرکار میں اتنی دیر لگاتی ؟ اگر میرے پاس ہوتیں آپ نے موتیا کو دی تھیں ؟"

موتیا ": اری بی کس کو دی تھیں ؟"

داروغن ": مجھ کو۔"

موتیا ": جھوٹے پر خدا کی مار۔"

داروغن ": خدا کی مار تجھ پر تیری سات پشت پر۔"

موتیا ": اور تیرے رہتے سہتوں پر

بیگم صاحب ۔ اری چڑیلوں لڑ کیوں رہی ہو ؟ اسی واسطے میں کہیں آنے جانے کا نام نہیں لیتی کہ میں نے جانے کو کہا اور تم پر بجلی گری۔ جاری سوسن کنجیاں ڈھونڈ کر لا۔"

سوسن: "سرکار کنجیاں تو گلشن کے پاس ہوں گی"
بیگم صاحب: "کیا نامراد چھوکریاں ہیں۔ اری تو کمبخت بلاتی کیوں نہیں"
سوسن: "سرکار وہ تو پاخانہ میں ہے۔ افیم کھائی ہے صبح کو"
بیگم صاحب: "تم سب کو خدا کی مار جا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر لا صبح کو کیسے نکلے گی"
گلشن: "بھلا بیگم صاحب اس مردار کو دیکھئے۔ مجھے یوں ہی گھسیٹ لائی مجھے کنجیوں کی کیا خبر میرے فرشتوں نے بھی نہیں دیکھیں"
بیگم صاحب: "اری تو نامرادوں چڑیلوں کنجیاں گئیں کہاں۔"
منیا: "سرکار ہم نے جو آنکھ سے دیکھی ہوں تو الہی آنکھیں پھوٹ جائیں"
بیگم صاحب: "اچھا تو قفل تڑوادو۔ داروغہ"
مونیا: "وہ تو سو گئے"
بیگم صاحب: "جگا چڑیل۔ سو گئے سو گئے" جا جلدی جگا"
مونیا: "بہت اچھا مگر بیگم صاحب سوتے کو جگانا تو منع ہے سنا ہے گناہ ہوتا ہے"
بیگم صاحب: "موئی چڑیل! جوتی خوری! بڑی مولوی کی بچی ہے۔ جا ابھی جاکر جگا"
سوسن: "وہ تو خراٹے لے رہے ہیں"
بیگم صاحب: "اری خراٹے۔ خراٹے پیٹ رہی ہو جگا کر لاؤ"
داروغہ: "جی سرکار۔"
بیگم صاحب: "داروغہ جاؤ یہ قفل تڑوا کر لاؤ"
داروغہ: "بھلا سرکار لگا ہوا قفل کیوں کر لے جاؤں"
بیگم صاحب: "لُہار کو لاؤ۔"

داروغہ: اس وقت؟"

بیگم صاحب: ہاں۔"

داروغہ: بارہ بجے ہیں کون سے لہار کی دکان کھلی ہوگی؟"

بیگم صاحب: تم نمک حرام ہو۔ اچھا تم اندر آؤ ہتھوڑی اور چھینیوں سے توڑ دو۔"

داروغہ: بہت اچھا۔"

دلہن: سرکار اندر کا صندوق کیوں کر ٹوٹے گا؟"

بیگم صاحب: خدا ہی کی مار پڑے گی تم سب پر۔"

رات بھر بیگم صاحبہ اور لونڈیاں کام کرتے رہے۔ داروغہ بھی ساتھ تھے مگر نتیجہ یہ نکلا کہ کنجیاں ملیں نہ قفل ٹوٹے البتہ متواتر کئی گھنٹوں کی کوشش کا یہ پھل ضرور ملا کہ دو سروتوں کی ڈنڈیاں ٹوٹیں ایک قینچی کا پھلکا ٹوٹا اور ایک دستہ پناہ گیا گزرا ہوا۔ صبح ہوئی تو پھر وہی مصیبت شروع ہوئی۔ اب بیگم صاحب نے خضاب کی تیاری شروع کی۔ گلشن اور سوسن نے مہندی اور وسمہ تیار کیا۔ چھپٹے داروغہ ڈھاک کے پتوں کو گئے۔ مہندی لگ چکی تو پھر وسمہ کا وقت آیا۔ پانی ٹھنڈا تھا۔ آدھ گھنٹے سے زیادہ اس پر جھپک جھپک پنکھا ... پتوں کی ضرورت ہوئی تو معلوم ہوا کہ داروغہ جی کے گئے ہوئے ہیں اور یہ کہہ گئے ہیں کھانا کھا کر پتے لیتا ہوا آؤں گا۔ بیگم صاحب اپنا سر پیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ قصہ کوتاہ جب تیار ہوگئیں تو چار بج چکے تھے اور جب جلسہ میں پہونچیں تو بیبیاں رخصت ہو رہی تھیں۔ گورنر صاحب کی میم نے چلتے ہوئے کچھ لوگوں سے تعارف کرایا۔ انگریزی عورتیں ان کا حلیہ ان کا لباس ان کی وضع قطع دیکھ کر بہت ہنسیں۔ پٹ سے پائنچوں کا پاجامہ جس کو چلتے دو لونڈیاں پکڑے ہوئے تھیں سب سے زیادہ پُرلطف تھا۔ اس پر لطف

مزید یہ تھا کہ ہر دم قدم پر لونڈیاں بسم اللہ کی صدائیں لگا رہی تھیں۔ صاحب خانہ نے تفریح کے بہت سے سامان کئے تھے ان میں ریچھ کا تماشا مہمانوں نے بہت زیادہ پسند کیا۔ مگر بیگم صاحب کی ہیئت کذائی ریچھ والے سے بھی زیادہ مزیدار تھی۔ اس لئے بعض بیبیاں صرف ان ہی کے واسطے ٹھہر گئیں ان میں ایک مس ڈاکٹرنی بھی تھی۔ وہ اس قدر محظوظ ہوئی کہ سب کو چھوڑ چھاڑ ان ہی کے پاس آ بیٹھی اور کہنے لگی۔

مس: "آپ کی عمر کیا ہے؟"

بیگم صاحب: "یہی کوئی پچاس برس کی ہو گی۔"

مس: "بیگم صاحب پچاس سے زیادہ تو میری عمر ہے۔"

بیگم صاحب: "ہاں تو تم کو نزلہ کہاں ہے؟ ڈاکٹرنی ہو، چاہے دن بھر سو تنا انڈے پیتی رہو۔"

مس: "تو کیا نزلے نے دانت بال آنکھیں بگاڑ دیں یا کمر بھی جھکا دی اور جھریاں بھی ڈال دیں؟"

بیگم صاحب: "تم ڈاکٹر کیسی ہو نزلہ تو آدمی کی جان لیتا ہے کمر اور جھریاں کیا ہیں!"

مس: "آپ اپنا علاج کیوں نہیں کرتیں؟"

بیگم صاحب: "ایک علاج کیا عمر اسی میں گذری!"

مس: "کیا دوا لی؟"

بیگم صاحب: "حکیموں کا بھی کیا ڈاکٹروں کا بھی کیا اوپری بھی کیا۔"

مس: "اوپری کیسا؟"

بیگم صاحب: "خالو شبن کا گنڈا دیکھو کمر پر بندھا ہے پیر جی محمود کے فلیتے

روز جلاتی ہوں۔ مولوی رحمت کی طشتریاں دونوں وقت پی رہی ہوں۔"

مس: "آپ ذرا گنڈا کھول کر دکھا سکتی ہیں؟"

بیگم صاحب: "واہ اوّل تو کھول ہی نہیں سکتی اور پھر تم کا فر ہو ہاتھ لگنے سے تاثیر جاتی رہے گی۔ سوا پانچ روپیہ اور ایک بکرا دے کر بدلوانا پڑے گا۔"

مس صاحب کے ساتھ بہت سی میموں نے قہقہے لگائے اور دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں ایک اور لطیفہ یہ ہوا کہ جب بیگم صاحب کے سامنے چائے آئی تو انھوں نے سیب کھانے سے انکار کر دیا۔"

مس صاحب: "سیب کھائیے۔"

بیگم صاحب: "مجھے تو سیب چھوڑے اٹھارہ برس ہو گئے اور یہ کے گھر میں سید صاحب رہتے ہیں تین برس برابر محل سرا میں پھیرا آئے آخر ایک حاجی صاحب اتفاق سے آ گئے۔ انھوں نے علاج کیا اور بتایا کہ ایک پھل جو بہت کھاتا ہو عمر بھر کے لئے چھوڑ دو۔ میں سیب کی عاشق تھی چھوڑ دیا۔ اب آٹھویں دن جمعرات کی جمعرات ان کا چڑھاوا چڑھا دیتی ہوں تو امن میں ہوں۔"

شیطنت حضور! یہ مشرک عورت۔ اس قوم کی عورت ہے جس کا سر خدا کے سوا کسی طاقت کے سامنے نہ جھکا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان کا ہر گناہ قابلِ معافی ہے مگر شرک معاف نہ ہوگا۔ اب اس سے زیادہ مشرک ہماری اُمّت میں کون ہوگا۔ جو ایک معمولی تخیل کی یہ سمجھ کر کہ سید صاحب ہی خدا ہیں پرستش کر رہی ہے۔ میں بصد ادب سفارش کرتا ہوں کہ یہ عورت تمغۂ شیطانی کی بہترین مستحق ہے تاکہ شرک کی پوری طرح تلقین ہو سکے۔"

دربار میں کچھ دیر سناٹا رہا اس کے بعد یہ فیصلہ صادر ہوا۔
بیشک یہ بھی ہمارے کرم کی مستحق ہے اور ہم اس سے
خوش ہیں مگر تمغۂ شیطانی کا حق اس نے پیدا نہیں کیا اس کے واسطے
اور بھی ارفع و اعلیٰ خدمات کی ضرورت ہے"۔

آج کا فیصلہ اس قدر اہم اور دلچسپ تھا کہ شہر کا ڈھور ڈور سے آ۔ئے،
پنڈال وسیع کیا گیا اور استقبال کی تیاریاں دنوں پہلے شروع ہوئیں دنیا کا کوئی
حصہ نہ تھا جہاں کا نمائندہ اس جلسہ میں موجود نہ ہو۔ شیطانی جنت
آراستہ و پیراستہ اپنے تماشے دکھا رہی تھی اور داروغہ باآواز بلند
نعرے لگا رہا تھا کہ آج اذن عام ہے۔ زندہ انسان بلا روک ٹوک سیر کر سکتے
ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری ذریات بعد الموت کیسے انعام و اکرام سے مالامال
ہو رہی ہے۔ خوش الحان پرندوں کے زمزمے ٹھنڈے پانی کے فوارے "اقبال
شیطانی" کے گیت گا رہے تھے۔ حوروں کا دستہ ہوا میں رقص کر رہا تھا
شراب رواں کی لہریں آنکھوں کو مخمور کر رہی تھیں یاسمین تالیاں بجا رہی تھی اور
گلاب کی موسیقی نے ہر ذرے میں کیفیت وجد پیدا کر دی تھی۔ غلمان پرے باندھے
مصروف گلگشت تھے۔ دودھ کی نہریں جاری تھیں۔ سرسبز گھاس۔ بار آور
درخت، شاداب پھول اور خوش نوا طائر شیطانی سجدوں میں منہمک تھے
اور جو شخص اندر داخل ہوتا تھا کلمۂ عزازیل زبان پر لے آتا تھا۔
جنت کی چہار دیواری نے سینکڑوں میل زمین گھیر رکھی تھی اور ہر چہار
طرف حسین پریاں ہنس ہنس کر ترانے گا رہی تھیں۔
صنعت خداوندی کا بہترین نمونہ آفتاب آسمانی مداری کی حیثیت میں

کہ ان کے تیور بگڑ گئے اور میرا دماغ حیات انسانی کا فلسفہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ قدرت کا نظام اپنا عمل کر رہا ہے اور زندگی کے اجزا اپنا جوہر دکھا رہے ہیں لیکن اس بدبخت کو اپنا کام کرنا تھا اور وہ یہ کہ بلا سوچے اور بے سمجھے قرآن حدیث کو بیچ میں لا کر بدنام کرے۔ اس کی نیت صحیح کبھی تھی تو نادان دوست ہوا، سبب ہوا، باعث ہوا، انتشار کا، اسقاط کا، ارتداد کا۔

چشم زدن میں مصلے پر ملا جی ہی ملا جی رہ گئے اور مقتدی بھاگ گئے۔ شیطان کے امام جی پر لاحول پڑھتے ہوئے رفوچکر ہوئے۔ عزازیل جنت ان کے واسطے آغوش کھولے تیار تھی۔ حوروں کے پرے دست بستہ استقبال کو سامنے آئے۔ سر پر لیا۔ آنکھوں پر بٹھایا۔ امام صاحب کے دل کی کیفیت جو کچھ ہو زبان پر عربی کے کچھ الفاظ تھے۔ مگر آنکھیں جنت کے تماشے میں سرگرم تھیں۔ جنت لبیک کہتی ہوئی نمازیوں کی تعظیم کو آگے بڑھی۔ حور و غلمان قدموں میں گرے۔ کوشش ملا جی نے بھی کی کہ وعظ کے بہانے سے اندر داخل ہو کر سیر دیکھیں۔ مگر جنت نے دھتکار دیا اور غریب اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو گیا۔

دروازۂ جنت بند نہ تھے مگر غلمان پہرہ دار امام صاحب کو گھسنے نہ دیتا تھا۔ ایک شیطانی حور جو اپنے فرائض ادا کرنے میں مکمل تھی مسکراتی ہوئی امام صاحب کے قریب پہونچی۔

امام صاحب کی عمر ستر سال سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ سر منڈا ہوا۔ لبیں کتری ہوئی۔ تہ بند باندھے ہوئے۔ سبز عمامہ سر پر۔ لال تسبیح ہاتھ میں بدصورت بدوضع، بدقطع۔ کریہ الصورت مکروہ الہیئت۔ بدتمیز۔ یہاں تک سب مضائقہ نہ تھا۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ آواز کو بے تکی، صورت کو لاجواب اور اعمال کو بے نظیر سمجھتا تھا وہ شیطنت پر قیامت، کوڑھ میں کھاج یا کریلے پر نیم، یہ تھا کہ عقل سے کورا

سمجھ سے خالی اور دانش سے محروم، حور کے قدم اپنی طرف دیکھ کر سمجھا کہ میری صورت کام کر گئی جلدی سے پیٹھ موڑ جیب میں سے سرمہ دانی اور سلائی نکال سرمہ لگایا۔ کنگھا نکال ڈاڑھی درست کی۔ اب حور پاس آگئی تھی پانوں کی ڈبیہ اور گوٹہ کا بٹوا کرتہ میں سے نکال با تکلف چھپا کر رکھا یا پیٹھ موڑا تو حور برابر میں جھکی کھڑی تھی۔ اس کے جھکنے کو سلام سے تعبیر فرما کر اس زور سے
"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"
کا نعرہ لگایا کہ عزازیلی جنت کے پرند جو نغمہ خوانی میں مصروف تھے اور جن کی دلکش صدائیں دلوں کے پار ہو رہی تھیں اس طرح اڑے جس طرح کبوتر باز کی کو سے کبوتر سیدھے ہو لیتے ہیں حور سمجھ گئی کہ الو کا پٹھا ہے اس لئے الو بناتے میں دیر نہ لگے گی۔ مصافحہ کو ہاتھ بڑھا دیئے۔ امام جی کے دل نے گواہی دی کہ ڈاڑھی کا نور اور سرمہ کا سرور حور کے دل میں جاگزیں ہوا۔ اپنا ہاتھ بھی نکالا کہ مصافحہ کروں، طبیعت باغ باغ، دل چونچال اور خود نہال نہال تھے مگر امامت کے خیال سے تیوری پر بل لے آئے۔ رکتے رکتے ڈرتے ڈرتے، آہستہ آہستہ ادھر ادھر دیکھ کر ہاتھ آگے کر رہے تھے کہ غلمان پہرہ دار نے زور سے جھنجھنا سا لی۔ اس کے جھنکتے ہی ہاتھ رک گیا۔ واعظ نے فوراً یاری دی کہ مصافحہ اور معانقہ مسنون ہے مگر حدیث پوری یاد نہ تھی غلمان اور حور دونوں پر دھونس بٹھانے کو جو یاد تھا وہ پڑھ ڈالا اور کنکھیوں سے غلمان کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا کہ مصافحہ تو سنت ہے۔

اب یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ شیطانی کرتب تھا یا حور کے ہاتھ میں سرسیں کہ مصافحہ کرتے ہی امام صاحب کا ہاتھ چپک سا گیا جھٹکوں پر جھٹکے دے رہے ہیں دانت پیس رہے ہیں۔ ڈاڑھی پھڑ پھڑا رہے ہیں مگر ہاتھ

کسی طرح نہیں چھوٹتا۔ لاحول پڑھی اور چیخ پیخ کر۔ مگر ہاتھ کیا چھوٹنے والا تھا ایسا چپکا اور ایسا جڑا کہ دونوں مل کر ایک ہو گئے۔ حور جنّت کی طرف بڑھی تو امام جی لپٹے چلے آرہے ہیں مگر یہ بھی ٹیڑھی نظروں سے ایک دفعہ حور کو اور ایک دفعہ غلمان کو بھانپ لیتے ہیں حور جنت میں داخل ہوئی تو امام جی نے دوسرے ہاتھ سے کھٹا کھٹ تسبیح شروع کر دی۔ غلمان پہرہ دار نے فوجی قاعدہ سے سلامی دی۔ سوچ رہے تھے کہ اب کیا جواب دوں کہ چاروں طرف سے غلمان سلامی اتارنے لگے۔ امام جی کا ہاتھ حور کے ہاتھ میں جڑا ہوا ہے اور غلمان بیچ میں گھیرے ہوئے سلامی اتار رہے ہیں۔ بیچارے ادھر ادھر بھی دیکھتے ہیں اور حور کو دیکھ کر بھی ایک آدھ ٹھنڈا سانس بھر لیتے ہیں۔ گرویدہ تو ہو ہی چکے تھے مگر کچھ تھوڑا سا لحاظ تقدّس کا بھی تھا۔ دل سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ رہا تھا۔ مگر زبان لاحول ولا قوۃ لاحول ولا قوۃ فرما دیتی تھی۔ حور نے امام صاحب کا رنگ پہچان اشارہ کیا تو آدمی نہ آدم زاد فقط دونوں جڑے ہوئے، شراب کی نہر سامنے تھی حور نے نیچی نگاہ سے کہا۔

"حضور کا بڑھاپا نوجوانوں کو مات کر رہا ہے۔ میں نے حضرت یوسف کو بھی دیکھا ہے مگر جو بات سرکار میں ہے وہ بات کہاں؟ یہ سرخ وسپید رنگ تو دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور پھر عادات وخصائل "نور علیٰ نور" آداز تو امام صاحب حضور کی جادو ہے جادو"!

امام صاحب اتنا سنتے ہی کُپّا ہو گئے اور اپنی انتہائی کرخت آواز میں قراۃ سے سورہ رحمٰن شروع کر دی۔ حور نے رو رو کر امام صاحب کی خوش الحانی کی داد دی۔

حور: "آج حضور کے اعمال کی جزا مل رہی ہے۔"

امام: "جزا! تو کیا میں مر چکا؟"

حور: "جی ہاں میں حضور کے نکاح میں آئی اور یہ جنت ہے۔"

امام: "ارے میرا تمام اثاثہ کس نے لیا؟ ہائے میری بدھنی اور ہائے ہائے میری مسواک اور ہائے ہائے میرا چاقو! ارے دھوتی کے بال کٹرے بھی تو وہ چھوڑ آئے ہیں۔ ربو چمار کو دو آنے ساقی کے دینے تھے وہ بھی گئے۔ کلا حجام پر سات پیسے ہیں وہ بھی ڈوبے۔"

حور: "یہاں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ شہد پیجئے دودھ پیجئے شراب پیجئے۔"

امام صاحب کو اپنی زندگی کا پورا یقین تھا اور واقعات بھی رو رہے تھے مگر مصلحتاً ہاں میں ہاں ملا رہے تھے اور اس خیال سے کہ حور فریفتہ ہے پلپلے بنے کچھ سوچ رہے تھے کہ حور نے شراب کا پیالہ پیش کیا۔ امام صاحب نے کنکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا تو سناٹا تھا یہ کہہ کر غٹ غٹ پی گئے "جزائے اعمال جزائے اعمال۔"

امام صاحب کی آنکھیں شراب سے کھل گئیں اور فرمانے لگے "کیسی کیسی نعمتیں بنائی ہیں خدا نے۔"

حور: "خدا کیسا؟"

امام: "خدا...... خودا...... خودا...... خدا تو تم ہی ہو۔"

امام صاحب نے اب حور کے چڑھے ہوئے ہاتھ پر سر رکھ دیا اور یہی فرماتے رہے "خودا... خودا......"

حور: "میری اجازت کا وقت قریب آگیا اب تم سے جدا ہوتی ہوں۔"

امام: ہائے غضب! ہائے غضب! ارے غضب! ارے غضب!
(قدموں پر سر رکھ کر) حور حور اے پی حور! ارے پی حور!"

حور نے جھٹکا دے ہاتھ چھڑا رستہ لیا۔ امام جی دوڑے اور قدموں میں گرے تو حور نے کہا: "اچھا تم ایک کام کرو میں اس صندوق میں ہو جاتی ہوں چلو دُنیا میں لے چلو۔"

امام: سر آنکھوں سے دل وجان سے!"

حور: مگر تمہاری صورت پہچانی جائے گی۔ لاؤ صورت بدل دوں۔"

اتنا کہہ کر حور نے امام صاحب کا منہ کالا کیا اور اُن کے سامنے صندوق میں جا بیٹھ گئی۔ امام صاحب صندوق سر پر رکھ کر باہر نکلے۔ آدھی رات کے وقت شہر میں پہنچے تو کوتوال گشت کر رہا تھا، روکا اور صندوق کھولا تو اس میں ایک عورت کی لاش تھی۔

"امام صاحب تھر تھر کانپنے لگے۔ کوتوال نے کہا:"

"کیا نام ہے تیرا؟"

امام: (قرأت سے) شمس الضحیٰ عماد عضنفل الاسلام عشوا را التعلیم بن قربانی عکرم محمد مفتی بریلوی رضوی چشتی نقشبندی قادری بدعتی احمدی دیوبندی حنفی اہلحدیث شمس الائمہ امام افضل الاسلام انوار التعلیم بن قاضی اکرم احمد فتح پوری چشتی نقشبندی قادری بدعتی احمدی دیوبندی حنفی اہلحدیث) ......

نام پوری طرح ختم نہ ہوا تھا کہ ایک تھپڑ کوتوال نے ایسا دے دیا کہ امام صاحب کا منہ اور دور جا پڑا اور کہا: "زیور کہاں ہے؟"

امام: "زیور؟ ارے میاں کیسا زیور؟"

کوتوال: "اور یہ منہ کیوں کالا کیا ہے کہ کوئی پہچان نہ لے؟ کیوں سچے

مردود تو امام ہے؟ نماز پڑھاتا ہے؟"

امام۔ الحمدللہ۔ اس عاجز کے پیچھے تمام شہر کی آبادی نماز پڑھتی ہے۔ کوتوال نے دُو اور دیئے۔ امام صاحب "مرگیا مرگیا" کہتے بھاگے۔ مگر جا کہاں سکتے تھے سپاہیوں نے خوب پیٹا، امام صاحب کبھی حور کو یاد کر رہے تھے، کبھی جنت کو، کہ سامنے سے مسلمانوں کا وہی گروہ جو سیر کے واسطے جنت عزازیلی میں داخل ہوا تھا۔ دکھائی دیا۔ رات چاندنی تھی امام صاحب کا منہ کالا اور یہ حالت دیکھ کر انھوں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہا "حضرت شیطان نے ورغلایا ہم کو بھی تھا مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنے ایمان پر ثابت قدم ہیں اب گیارہ بج گئے ہیں جلسہ شروع ہونے والا ہے۔

ساتویں تصویر

جلسہ ٹھیک آدھی رات کو شروع ہوا حاضرین کی کثرت اس قدر تھی کہ عزازیلی جمعیت کو اپنی قدرت کے تماشے دکھلانے پڑے اور بیشمار اسٹیج ہوا میں تیار کیے گئے تاکہ مقرر کی آواز باآسانی پہونچ سکے۔ آج ہز امپیریل میجسٹی دی اسٹین آف دی ورلڈ خود کرسی صدارت پر جلوہ فرما تھے۔ اراکین دربار اُمرا وزرا دست بستہ نیچی نظریں کئے کھڑے تھے۔ باجے شیطانی شکریہ کے ترانے بجا رہے تھے اور ہوائی حوریں سُریلی راگنیوں کا مینہ مخلوق پر برسا رہی تھیں خوش رنگ اور دلآویز پھول حسن کی صورت اور سیرت آنکھوں کو خیرہ اور دل کو مسخر کر رہی تھی ہوا میں تیرتے پھر رہے تھے ایک نور کا دریا تھا جو ہر سمت لہریں لے رہا تھا ایک بجے کے قریب جب آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر تھی سب سے پہلے

قدرت شیطانی کے مظاہرے دکھائے گئے۔ یاسمین و گلاب حوروں کی گردش چشم سے پیدا ہو ہو کر اپنی بہاریں دکھا اور دماغوں کو مست کرتے ہوئے فنا ہو رہے تھے خوش الحان پرندوں کی نغمہ سنجی معزز مہمانوں کی تشریف آوری کے شکریہ میں سرگرم ہوئی اور جب طوطی سیمیں کی صدا نے خاموشی کا ڈنکا بجایا تو سناٹا چھا گیا۔

رات بھیگ رہی تھی اور گو شیطانی قوتیں صفت انسانی پر پوری طرح غالب آ چکی تھیں مگر قدرت کی ایک ہلکی سی جھلک اب بھی ان دماغوں کو چکرا دیتی تھی جو مصنوعی دنیا میں حکومت کر رہے تھے

اس وقت سانس کے سوا کوئی دوسری آواز اگر تھی تو فضائے آسمانی میں ہوا کا نغمہ اور سرسبز درختوں کے منتشر ہوتے کی موسیقی۔ ابھی پچھلا پہر شروع نہ ہوا تھا کہ وزیر جنگ نے اپنی فوج کو کھڑا کیا۔ اور ایک ہلکی سی سرخی نمودار ہوتے ہی یہ گروہ خداوند شیطانی کے سجدہ میں گرا اور قدم چوم کر ترقی اقبال کے نعرے لگائے۔ جب میدان اس گونج سے پاک ہوا تو وزیر نے تصویر دکھا کر یہ تقریر شروع کی۔

میں سمجھتا ہوں اس پوری صدی میں اس سے بہتر انسان ہم پیدا نہ کر سکے اس کا ہر سانس، ہر قدم، ہر قول، ہر فعل ہمارے واسطے باعث فخر ہے یہ وہ انسان ہے جس کی زندگی پر ہم ہمیشہ ناز کریں گے اور جس طرح اس کی زندگی مایۂ ناز ہے اسی طرح اس کے بعد اس کی موت بھی ہماری سچی مسرت اور حقیقی راحت کا باعث ہوگی۔ اس نے قرآن و حدیث کو، خدا اور رسول کو مذہب اور احکام کو ایک تل کے برابر جگہ نہ دی اور آج بھی جبکہ دنیا کا تغیر و انقلاب زندگی کا عروج و انحطاط حالات کی ترقی و تنزل اس کو تباہ و برباد کر چکے اس کے خیالات کی بنیاد اٹل اس کے دماغ کا استحکام بدستور اس کے قلب کا یقین اسی مرکز پر ہے۔

رسول پور کے اصفہانی قلعہ کے آثار جو اب تک انسانی ہڈیوں کی طرح اپنی

زندگی کی داستان سُنا رہے ہیں اب بھی جنوبی ہندوستان میں بھولے بھٹکے مسافر
کو نظر آجاتے ہیں اور آنکھ تامل اور غور کرے تو بتاتے ہیں کہ کس طرح زمانہ سنگین فصیلوں
کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے، اور وقت مٹھیں دلوں کو منتشر کر کے دولتمندوں
کو بھیک منگوا دیتا ہے۔

قلعہ کے جنوب مشرقی حصہ میں ایک بلند ٹیلہ ہے جس کی خاک کو دریائے سرایت
لے سے دیتا ہے۔ اس اصفہان الدولہ کی اکلوتی بچی شیرازی بیگم کی ہڈیاں دفن ہیں
ہر سال موسم بہار میں ٹیلے کے عظیم الشان درخت کی پہلی کونپلیں شیرازی کا مرثیہ پڑھتی
ہوئی دنیا میں نمودار ہوتی ہیں اور قمری مہینہ کی ہر چودھویں تاریخ کو چاند کی پہلی جھلک
اس کے مسکن کو بوسہ دیتی ہے۔ دنیا ان آنکھوں سے خالی نہیں ہے جنہوں نے رات
کے آخری حصے میں شیرازی کی روح کو قلعہ میں گریہ زاری کرتے دیکھا ہے اور قلعہ اصفہانی
آج بھی ان کانوں سے جن میں اس بدبخت بچی کے نالے بس رہے ہیں آباد ہے۔

شیرازی بیگم اور شیراز الدولہ اس اصفہان کے حسن کی تصویر پیش کرنے
کا اس وقت مجھ کو فخر حاصل ہو رہا ہے یہ بچے ہیں۔ ان کی ماں سعیدہ اصفہان کی بیوی
ایک متمول تاجر کی لڑکی تھی جس کو جہیز میں قریب قریب تمام رسول پور ملا تھا
یہی وجہ تھی کہ اصفہان رسول پور کا ایک متمول رئیس تھا جس کی ٹکر کا امیر دور
دور نہ تھا۔ وہ چونکہ ایرانی النسل تھی اس لئے دونوں بچے حسن کی کان تھے شیرازی
کی تعلیم و تربیت میں بڑا ہاتھ ماں کا تھا جس نے اس کی قابلیت کا سکہ دور
دور بٹھا دیا تھا۔ ایک رات جب چاند دریا کی لہروں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا
اور شیرازی کنارے پر بیٹھی اس تماشے پر محو تھی اس نے [illegible] پوچھا کہ [illegible]
شیرازی بیگم ایک [illegible] ہے تم یہ کیا کیا کرتی ہو جب چاند نکلتا ہے اور دریا پر نکل آتی ہو
[illegible]

اس کا انجام کیا ہوگا؟"

شیرازی:- "شیراز! تم مجھ سے عمر میں ڈیڑھ سال بڑے ضرور ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تم عقل میں بھی مجھ سے زیادہ ہو۔ میں اپنی طبیعت اور عادات کو تم سے اور تمہارے محترم والدین سے بہتر سمجھ سکتی ہوں۔ اور اگر ناخوش نہ ہو تو یہ بھی کہہ دوں کہ اپنے معاملہ کو ہر شخص سے بہتر سمجھنے والی میں خود ہوں۔ بدقسمتی سے میں اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ ہر بڈھے کی رائے اس لئے کہ وہ بزرگ ہے جوان کے مقابلہ میں صائب سمجھوں تجربہ کا کچھ حق انسان کو مل سکتا ہے۔ مگر نہ اتنا کہ اس کی زبان سے جو نکلے قرآن و حدیث کے برابر ہو۔ کیا آپ ایک عالم کو جو جوان ہے ایک جاہل کے سامنے جو بڈھا ہے کمتر خیال کریں گے؟ میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ لڑکی صرف اس لئے کہ ماں اور باپ کا حکم ہے دیدہ و دانستہ ذبح ہو جائے اور اپنی زندگی تباہ کرلے۔ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں ٹہلتا باہر نکل آئی۔ پیام نکاح میری زندگی اور موت کا سوال ہے اور اگر اسلام نے اس کا فیصلہ صرف والدین کے ہاتھ میں رکھا ہے اور مجھے بے دست و پا کردیا ہے تو میں آپ سے اور آپ کے اسلام سے باز آئی۔"

شیراز: "تم نے فقہ حنفی کا مطالعہ اچھی طرح کیا ہے۔ تم قرآن و حدیث سے بھی باخبر ہو۔ نکاح کے معاملہ میں مجھے جہاں تک معلوم ہے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ ابا جان ولی ہیں اور ان کی رائے تمہاری رائے سے یقیناً بہتر ہوگی۔"

شیرازی: "افسوس میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں اور اس کی وجہ ابھی بیان کرچکی ہوں۔"

شیراز: "سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ مسلمان لڑکیاں پردہ کی وجہ سے صرف خاندان کے لڑکوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ ان کی واقفیت محدود ہوتی ہے

اور جو سامنے آرہا ہے اسی کو نعمت سمجھنے لگتی ہیں یہی کیفیت معاف کرنا تمہاری ہے"
شیرازی:" تم نہایت غلط کہہ رہے ہو۔ اسعد حسن کا پیام ٹھکرایا جا رہا ہے۔ گو تمہارے ذور پرے کا رشتہ دار سہی۔ مگر یقین کرو کہ میں نے آج تک اس کو نہیں دیکھا اور نہ اس نے مجھے دیکھا۔
شیراز:" جب حالات یہ ہیں پھر تم کو اسعد کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اور تم اس کو کیوں پسند کرتی ہو"
شیرازی:" ہاں یہ سوال تم نے معقول کیا۔ میں اس کا جواب نہایت خوشی سے دوں گی"
واقعات میرے اور تمہارے دونوں کے سامنے ہیں نتیجہ پر جس طرح تم پہونچ سکتے ہو۔ میں بھی پہونچ سکتی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں حالات اور طبیعت سے تمہارے مقابلہ میں زیادہ واقف ہوں۔ جب مخالف اور موافق دونوں قسم کی رائیں سامنے آجائیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تمہارے انکار کی وجوہ کیا ہیں اور میرے میلان کے اسباب کیا۔ اگر تم برا نہ مانو تو کہوں کہ ابا جان کے انکار کی وجہ کھلی ہوئی ہے اور وہ ان کی اپنی غرض ہے اپنی ذاتی ضرورت کا شکار اولاد کو بنانا ماں باپ کا کس حد تک جائز حق ہے"
شیراز:" لو اماں جان اور ابا جان بھی آگئے"
شیرازی:" اگر تم سلسلۂ سخن جاری رکھو تو مجھے ان کے سامنے بھی گفتگو کرنے میں تامل نہیں اور مجھے تمہارے کان میں یہ بات ڈال دینی چاہیئے کہ نکاح کے وقت ایجاب وقبول کا مرد اور عورت کو شرع اسلام نے کامل اختیار دیا ہے میں اگر ان حالات میں متانت سے انکار کر دوں تو کسی کو مجھ پر اعتراض کا حق نہیں اور میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔

تو لفِرا اصفہانی کے کنگرے اپنی عظمت گذشتہ کی یاد میں سرگرم فغاں ہیں۔ فاختہ کی کو کو فضائے آسمانی میں گونج چکی۔ پائیں باغ کی بہار کا خاتمہ ہے اور بربادی کے آثار نمودار ہو چکے ہیں۔ چمپا اور مولسری کے ہرے بھرے درخت دم توڑ رہے ہیں گلاب زندہ ہے مگر پانی کو ترستا ہوا، گھاس کی روشیں خاموش زبان سے داستان حیات سنا رہی ہیں۔ بلبل ناشاد کے نیچے کھچے پروں اور گل بدبخت کی مرجھائی ہوئی پنکھڑیوں میں زندگی کا ایک طومار پوشیدہ ہے، اصفہان اور اس کی بیوی یاسمن کے نیچے خاموش بیٹھے ہیں۔ شیراز اور اس کی بہن مولسری کے نیچے میں ٹہل رہے ہیں۔

آفتاب ختم ہونے کے قریب تھا اور اس کی آخری کرنیں فنا ہو رہی تھیں کہ اصفہان نے بیوی سے کہا۔

"جس طرح یہ سورج دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اس طرح میرا بھی آخری وقت ہے اور میرا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شیراز کے لئے کوئی پریشانی نہ چھوڑ جاؤں۔ اگر شیراز کی شادی غیر کفو میں ہوئی تو تمہاری جائداد برباد ہوگی اور داماد شرعی حصہ کا خواستگار ہوگا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم اپنے ہاتھ سے شیراز کو تاراج کر جائیں۔ ممتاز ہمارا عزیز ہے اور میں نے اس سے اور اس کے باپ سے یہ طے کر لیا ہے وہ خود اسی رواج میں شریک ہے کہ لڑکیوں کو ترکۂ پدری نہ ملے اور رواج کے موافق محروم رہیں۔ ان حالات میں تم کنبہ کا اگر کوئی اور لڑکا یا مرد تجویز کرو۔ تو مجھے انکار نہیں مگر شرط یہی ہے کہ غیر کفو نہ ہو جو ترکہ کا طالب ہو۔"

شیراز "ابا تم کیا کہہ رہے ہو میں اسلام اور شرع اسلام سب سے باز آئی۔ اور اگر اس جرم میں کہ میں ایک مسلمان باپ کی بیٹی ہوں مجھ کو یہ سزا دی جاتی ہے

کہ میری آزادی سلب ہو اور بہ جبر میرا نکاح کر دیا جائے اور میرا مستقبل تباہ اور زندگی غارت ہو جائے تو میں تم سب عزیزوں کو دونوں ہاتھوں سے سلام کرتی ہوں۔ میں تسلیم کرلیتی ہوں کہ باپ میرا ولی ہے اور وہ میرے نکاح کا جائز حق رکھتا ہے۔ لیکن جب باپ کی بدنیتی میرے علم میں آگئی تو اس سے انحراف تمہاری رائے میں میرا شرعی حق نہ ہو مگر عقلِ سلیم مجھے پورا اختیار دیتی ہے کہ میں تم سب کے خود غرضانہ فیصلے اور اس لغو تجویز کو ٹھکرا دوں اماں جان اگر اب راضی نہیں ہیں تو آگے چل کر وہ ابا جان سے اتفاق کرنے پر مجبور ہوں گی اور اس طرح دونوں میاں بیوی ماں باپ کی حیثیت میں ایک ناکردہ گناہ لڑکی کو ذبح کریں گے لیکن تم مطمئن رہو میں آسانی سے ذبح نہ ہوں گی اور اپنے خون کی چھینٹوں سے تمام خاندان کو رنگ کر مروں گی تم صرف میری رائے والدین تک پہونچا دو۔"

اصفہان کا ملازم کانپتا ہوا آیا اور کہا سرکار۔ قاضی صاحب ممتاز میاں اور ان کے عزیز تشریف لے آئے۔"

"مجھ کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ تعلیم نسواں زہر ہلاہل ہے اور میں تم کو پڑھا نہیں رہا بلکہ تمہاری اور تمہارے ساتھ اپنی اور اپنے ساتھ تمہاری ماں کی زندگی غارت کر رہا ہوں تو یقیناً میں تم کو جاہل رکھتا اور اس جہالت کو اس ناشدنی تعلیم سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا مجھ کو خبر نہ تھی کہ تم پڑھ لکھ کر ایسی بے حیا اتنی بے حمیت اور اس قدر آزاد ہو جاؤ گی کہ خاندانی شرافت اور جوہر انسانیت ہاتھ سے جاتا رہے گا اور تمہاری وجہ سے اس بڑھاپے میں اس قدر پریشان و حیران رہ جاؤں گا کہ زندگی وبالِ جان ہو جائے گی دنیا کا کوئی قانون اور کسی انسان کی عقلِ سلیم ہرگز یہ گوارا نہ کرے گی کہ ایسا باپ جس نے ہزار ہا تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھا کر بیٹی کو جوان کیا اس کی برائی بھلائی

کو اس سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہے منہ تکتا رہ جائے اور ناتجربہ کار لڑکی اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی رائے اور خیال سے ایک لڑکا منتخب کر نکاح کرنے تم کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آج گھر اور خاندان میں نہیں محلے اور قلعے میں نہیں۔ رسول پور میں میری ناک کٹ رہی ہے اور بچہ بچہ کی زبان پر یہ چرچا ہے کہ شیرازی نے نکاح سے انکار کر دیا۔ تمہاری رائے میں یہ معمولی بات ہوگی۔ اگر یہ حقیقت ہوئی تو کیا میری عزت اس کو برداشت کرے گی۔ تم اپنے انکار سے پہلے باپ کا جنازہ اس گھر میں دیکھ لینا کیونکہ جو منہ دنیا کو دکھانے قابل نہ رہا اس کا زندہ رہنا بے سود اور بیکار ہے۔

"میں خوب جانتا ہوں! جو کچھ میں سن رہا ہوں وہ مبالغہ اور غلط ہے اور خدانخواستہ تم ایسی ناہنجار نہیں ہو کہ میری موت کو محض اپنے نفس کی خاطر جائز سمجھ لو۔ تمہاری شرافت سے یہاں تک امید ہے کہ میری زندگی ہر قیمت پر خریدنے کے لئے تیار رہوگی! اس لئے میری پیاری بیٹی! میری عزیز بچی! تم میرے حکم کی تعمیل کرو اور یقین کرو کہ بڈھا باپ تمہارا دشمن نہیں اور آج ہم دونوں سے زیادہ دنیا میں کوئی تمہارا رفیق نہیں ہو سکتا۔

"بس تم دل بھاری نہ کرو جاؤ باہر جاؤ انتظام کرو لوگوں کا کیا ہے یوں ہی ادھر کی ادھر کرتے ہیں وہ انکار کرنے والی لڑکی نہیں ہے اور تمہارے حکم سے بھلا تم سے زیادہ اس کا دوست کون ہو سکتا ہے تم جاؤ ابھی تیاریاں کرو وہ انکار نہ کرے گی کیا اماں باوا اور تمام خاندان کو ذلیل و رسوا کرے گی۔"

رات کا ابتدائی حصہ تھا ایک وسیع کمرہ میں بڈھا اصفہان اور اس کی ادھیڑ بیوی سعدیہ خاموش بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ان کی بچی شیرازی اس طرح کھڑی تھی کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ باپ کی اس تقریر نے خموشی کو توڑا۔

ادریسی کا اشارہ پاتے ہی اصفہان باہر گیا اور ماں نے بیٹی سے کہا۔

"بیٹی خدا تیری عمر دراز کرے رونے کی کیا بات ہے بادشاہوں کی لڑکیاں بھی سدا میکے میں نہیں رہتیں۔ یہ وقت تو سب ہی کو دیکھنا پڑتا ہے اور پھر ہیں تو تجھ کو ایک دم کے واسطے اوجھل نہ کروں گی۔ بیٹی میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ گھر داماد لوں گی اور اپنی بچی کو ایک دن کے واسطے بھی رخصت نہ کروں گی جب انھوں نے سب شرطیں منظور کر لیں اس وقت میں نے ہاں کی ہے بیٹی اب تم سامنے والے کمرہ میں چلی جاؤ۔ وکیل گواہ آتے ہوں گے"

چشم زدن میں مردانہ بھی اور زنانہ بھی کھچا کھچ مردوں اور عورتوں سے بھر گئے چھوہارے آئے، مٹھائی آئی، کپڑا لتا آیا، گہنا پاتا آیا، پان مصری آئی، ہار پھول آئے قصہ کوتاہ وہ وقت آیا بھی اور گیا بھی کہ وکیل اور گواہ لڑکی کی ہاں سننے آئے مردانہ میں پہونچے اور نکاح ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب برات رخصت ہوئی چونکہ تعلیم یافتہ تھا۔ اس لئے فضول مراسم نظر انداز کی گئیں تھیں کہ آرسی مصحف بھی نہ ہوا اور بارہ بجے دلہن پالکی میں بیٹھ دولہا کے گھر رخصت ہوئی اصفہان اور سعدیہ کو خوشی کے مارے تمام رات نیند نہ آئی۔ اس واسطے نہیں کہ وہ ایک بڑے فرض سے سبکدوش ہوئے اور نہ اس لئے کہ بیٹی کو ان کی مرضی کے موافق بر مل گیا بلکہ اس لئے کہ باپ کی کوشش ہر طرح کامیاب ہوئی جو دھڑکا تھا جاتا رہا۔ جو کھٹکا تھا وہ جلد دور نکلا۔ شیرازی نے باپ کی رائے سے اتفاق کیا اور چپ چپاتے وداع ہو گئی مگر رات کی تمام مسرت طلوع آفتاب کے بعد کلفت سے بدل گئی جب معلوم ہوا کہ دلہن غائب ہے!

ادھر اصفہان سعدیہ اور شیراز ادھر ممتاز اس کی ماں اور باپ تلاش میں مصروف ہوئے۔ کونہ کونہ دیکھا چپہ چپہ دیکھا مگر سوئی نہ تھی کہ چھپ جاتی

گھر دیکھے لیکن سمجھ نہ سکتا کہ دیاب جاتا۔ تمام رسول پور کی خاک چھانی آس پاس کے گاؤں کنویں دیکھے، مگر دلہن کا پتہ نہ چلنا تھا اور نہ چلا، واقعہ کے ساتھ ایک نیا گل یہ کھلا کہ شیرازی کی کنیز رحیمن بھی غائب تھی۔ رحیمن تھی تو گھر کی لونڈی مگر چونکہ شیرازی کی ہم عمر اور اس کی ہمراز تھی اس لئے گمان غالب تھا کہ دونوں ساتھ گئیں۔

اس واقعہ کا تیسرا یا چوتھا روز تھا کہ ممتاز اور اس کا باپ ایک خط لئے ہوئے اصفہان کے پاس آیا جس پر ڈاکخانہ کی دونوں مہریں تھیں اور یہ لکھا تھا۔

بھائی ممتاز تم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ زمانہ کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔ آج وہ دور جہالت نہیں کہ ماں باپ نے جب چاہا اور جس سے چاہا لڑکی کو بلا سوچے سمجھے پلے باندھ دیا۔ یہ رسم اچھی تھی یا بری مگر چونکہ عقل انسانی اس کو گوارا نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے پائدار نہ نکلی اور لڑکیوں کو مجبوراً اس تعلیم کی روک تھام کرنی پڑی۔ شیرازی کسی طرح بھی اس پر رضامند نہ تھی کہ مجھ جیسے انسان کی موجودگی میں اس کا نکاح تم جیسے حیوان سے ہو جاتا۔ وہ میری تھی میری ہوگئی اور میری رہے گی مگر یہ نکاح تم کو نہیں تمام گاؤں اور قلعہ بلکہ قوم کو سبق دے رہا ہے کہ انکار کے موقع پر لڑکیوں کے اصرار کی اچھی طرح چھان بین کر لیں۔ تم کو صدمہ تو ضرور ہوگا مگر الحمدللہ کہ کل شب باقاعدہ طور پر میرا نکاح شیرازی سے ہو گیا اور اب وہ بیوی کی حیثیت سے میرے گھر میں ہے

سنتا ہوں کہ تم اس کی وجہ سے پریشان ہو اور اس کے والدین تمہارے ساتھ آپے سے باہر ہیں۔ بھائی ان باتوں میں کیا رکھا ہے جو ہونا تھا وہ ہوگیا اس خیال کو چھوڑ دو اور صبر کرو۔"

"اسعد"

اصفہان: "تم کو ایک لمحہ کی دیر نہ کرنی چاہیئے فوراً پولیس میں رپورٹ درج

کرو۔ ان دونوں ناہنجاروں کے اعمال کی پوری سزا دلواؤ۔"
ممتاز کا باپ: میں صرف آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں رپورٹ کس طرف سے ہو؟"
اصفہان: میاں ممتاز کی طرف سے کیونکہ وہ ان کی منکوحہ ہے۔"
ممتاز کا باپ: بیشک بیشک ابھی وارنٹ لے کر چلنا چاہیئے دونوں کو گرفتار کر لیں۔ بلکہ جیمن کو بھی اعانت میں لو۔"
شیراز۔ اس واقعہ کے بعد اب میں کالج جانا پسند نہیں کرتا۔ موسم زیادہ گرم ہو رہا ہے اور دل کسی طرح کم نہیں ہوتا، ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں یہ وقت یہاں گزار دوں مجھے اپنا اسباب وغیرہ کالج سے لینا ہے اس لئے ایک روز لکھنؤ ٹھہروں گا اور اس کے بعد یہاں چلا آؤں گا میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا کہ نینی تال جاؤں یا منصوری بہرحال جہاں بھی جاؤں یہ وقت کسی ایسی جگہ گزاروں گا جہاں موسم خوشگوار ہو۔"
اصفہان: "اس وقت کہ میرے حواس گم اور میرے ہوش باختہ ہیں اور میری حالت دیوانوں سے بدتر ہو رہی ہے تمہارا جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا بہتر تو یہی ہوگا کہ تم کالج کا وقت پورا کرتے مگر چونکہ تم دل برداشتہ ہو چکے ہو اس لئے میں تم کو مجبور نہیں کرتا اور ان حالات میں کہ معاملہ صحت و علالت کا ہے جہاں تمہارا جانا مصلحت نہیں وہاں تمہارا ٹھہرنا بھی قرین قیاس نہیں۔ اگر تم جاتے ہو تو بسم اللہ۔ افسوس اس کمبخت شیرازی نے ہم کو کہیں کا نہ رکھا۔
شیراز: میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ شیرازی بے گناہ ہے اور تم محض اپنی ہٹ دھرمی سے اس کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں اور صرف اس لئے کہ وہ اس جائداد سے محروم رہے اس کی زندگی تباہ کر رہے ہیں اس کے جواب میں اس نے جو کچھ کیا یقیناً ہم اس کے مستوجب تھے خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا

میں اب جا رہا ہوں۔"

سعدیہ: "میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

شیرازی: "میں جانتا ہوں جو کچھ آپ فرمائیں گی اس لئے اب مجھے اجازت ہی دیجئے۔ انشا اللہ پھر گفتگو ہوگی۔"

سعدیہ: "نہیں تم میری بات سن کر جاؤ۔"

شیرازی: "اماں جان آپ مجھے معاف فرمائیے اگر میں عرض کروں کہ شیرازی کی بربادی کی بڑی ذمہ داری آپ پر ہے بڑی اماں کی زندگی محض آپ کی وجہ سے تباہ ہوئی۔ شرع اسلام نے ابا جان کو نکاح ثانی کی اجازت دی تھی تو کیا اسی سلوک کی شرط تھی جو بڑی اماں کے ساتھ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ ان کا بے گناہ بھائی صرف اس لئے جیل خانہ میں جائے کہ بہن کی جائز حمایت کیوں کی اور آپ دونوں صاحب اپنی کامیابی پر نازاں ہوں؟ یہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہو، یقین فرمائیے آپ کے اعمال کا بدلہ ہے جو قدرت آپ سے لے رہی ہے۔"

آدھی رات کے وقت جب دنیا عالم خواب میں تھی اسعد کے گھر پر پولیس کا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ ہر چند تلاش کی۔ مگر شیرازی کا پتہ یہاں بھی نہ چلا اسعد نے خط سے، اس کے باپ نے علم سے اور محلے والوں نے نکاح سے قطعی انکار کیا۔ پولیس بھی حیران و ششدر تھی۔ بہتیرا ہی پتہ لگانا چاہا، رات ساری اُدھیڑبن میں گذری مگر شیرازی یا رحیمن کا پتہ نہ چلا۔ ابھی آفتاب طلوع نہ ہوا تھا کہ عورت جو سر سے پاؤں تک برقعہ میں تھی بھاگتی ہوئی دکھائی دی اور دفعۃً "غل مچا کہ

"شیرازی جا رہی ہے۔"

اصفہان اس کے پیچھے دوڑا مگر چونکہ فاصلہ زیادہ تھا اور اصفہان غصہ

سے بے قابو ہو رہا تھا اس لئے ریوالور سے فائر کیا "ہائے" کی ایک آواز کے بعد برقعہ پوش انسان نیچے گرا اور پولیس نے اصفہان کو گرفتار کر لیا۔

پولیس سب انسپکٹر نے مقتول کی لاش، اس کا خون جو بازو سے جاری تھا، خون آلود کپڑے مع رپورٹ سپرنٹنڈنٹ کے پاس طبی معائنہ کے لئے روانہ کر دیئے اور ریوالور، کارتوس وغیرہ شیشے میں رکھے لاش کی تصویر لینے کے بعد جو ورثا کی خواہش و صرف پر اتاری گئی۔ اصفہان کا چالان کیا گیا۔ ۲۵ تاریخ کے "دی محمڈن" رسول پور کے روزانہ اخبار نے اس واقعہ پر اس طرح رائے زنی کی:

"شیرازی بیگم کا باپ کے ہاتھ سے قتل"

صوبہ کے مقتدر مسلمان آج کل اس مقدمہ کے نتیجہ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں جس میں رسول پور کا مشہور رئیس اصفہان الدولہ اپنی بیٹی شیرازی بیگم کے قتل کے الزام میں گرفتار ہے ہم عدالت کے فیصلہ سے پہلے ابھی واقعات پر رائے زنی نہیں کر سکتے مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مرد نے عورت کے حقوق غصب کرنے میں جو کمال دکھایا وہ اب سرزمین ہندوستان پر پل پلا کر اس قابل ہو گیا کہ تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔

شاید پچیس چھبیس سال ہے ہمارے صوبہ کے مسلمانوں نے احکام اسلام کے خلاف لڑکیوں کو ترکہ پدری سے محروم کر کے رواج کو غالب قرار دیا ہے اور قانون شرعی میں اس قسم کی ترمیم جائز سمجھی ہے۔ چنانچہ قریب قریب تمام صوبہ میں یہ رواج صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس ہٹ دھرمی کی کامیابی کا پہلا زینہ یا بہانہ لڑکیوں کی شادی کفو ہے۔ یہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر شادی صرف مسلمانوں میں ہوئی تو لڑکی کو ترکہ دینا پڑے گا

چنانچہ انہوں نے ایک چیز کفو پیدا کی ہے کہ لڑکی کا نکاح کفو میں کرینگے
یعنی ان بے ایمانوں میں جو احکام الٰہی کے ایمان سے محروم غلبۂ رواج کے
ہمنوا ہوں مگر یہ ایک قسم کا دھوکا ہے اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام کفو کی
برتری کو مٹا کر مساوات قائم کرنے آیا تھا نہ کہ خاندانی نخوت و تمکنت
کو ترقی دینے اور ان کا یہ عذر سر تا سر مذہب مقدس کے خلاف ہے اس
بے ایمانی کا شکار شیرازی بیگم ہوئی مگر ہم یہ دیکھ کر خوش ہوئے کہ شیرازی بیگم
نے ایثار سے کام لے کر اپنی مظلوم بہنوں کے واسطے خوش گوار تخم
ریزی کی اور خود مر کر مردوں کو بتا دیا کہ کفو کی آڑ کیا معنی رکھتی ہے سنا ہے
کہ شیرازی بیگم کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کفو میں ہوئی اور وہ
ایک دوسرے شخص کے گھر پر باپ کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔"

اصفہان الدولہ کی طرف سے قانونی پیروی بہت اچھی طرح ہوئی دور
دور کے وکیل آئے اور ملزم کی بریت کے واسطے ہر ممکن کوشش کی مقدمہ کی
کارروائی ختم ہوئی تو صفائی کی طرف سے جو تقریر ہوئی اس کا ایک حصہ یہ تھا۔

اس مقدمہ میں سب سے زیادہ زور اس بحث پر دیا گیا کہ ملزم کا
[illegible] اپنی لڑکی شیرازی بیگم کو ترکۂ پدری سے محروم کرنا تھا اور اسی وجہ
سے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح ایسے لڑکے سے کیا جو رواج
کا حامی اور تقسیم کے خلاف تھا یہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ثبوت جرم کو
اس سے کسی قسم کی مدد نہیں ملتی۔ سب انسپکٹر کی طرف سے جو
رپورٹ کی گئی یعنی روزنامچہ وہ غائب ہے اور واقعات کا پورا علم
عدالت کو نہ ہو سکا۔ ملزم پر الزام اس کی لڑکی کے قتل کا ہے اور وہ
شیرازی بیگم کے قتل میں ماخوذ ہے مگر استغاثہ یہ نہ ثابت کر سکا کہ لاش

شیرازی بیگم کی ہے۔ میرے سوال کے جواب میں ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ یہ
کہنا مشکل ہے کہ موت ریوالور کے فائر سے ہوئی بہت ممکن ہے کہ فائر
لاش پر کیا گیا ہو۔ لاش کا رات ہی رات میں دفن ہو جانا اس شبہ کو اور
تقویت دے رہا ہے۔ صفائی ثابت کر چکی ہے کہ اس رات ایک لاش
قبل از دفن قبرستان سے غائب ہوئی۔ وہ لوگ جو شریک دفن تھے اور
شیرازی بیگم کے قریبی عزیز ہیں کہتے ہیں کہ یہ لاش شیرازی بیگم کی نہ تھی اس سلسلہ
میں سب سے زیادہ اہم شہادت شیرازی بیگم کے بھائی کی ہے جو اس
بیان کی تائید کر رہا ہے۔ ان حالات میں اگر میں یہ بھی نہ کہوں کہ شیرازی بیگم
کا قتل ثابت نہیں ہوا تو اتنا ضرور کہونگا کہ شبہ قوی ہے اور ملزم اس سے
مستفید ہونے کا جائز حق رکھتا ہے"۔

عدالت ابتدائی نے مقدمہ سیشن سپرد کر دیا۔ جہاں دوسرا مقدمہ جس میں
اسعد اغوا اور اعانت قتل میں ماخوذ تھا چل رہا تھا۔

آٹھ مہینے کے قریب دونوں مقدمے جاری رہے اور اصفہان نے اپنے
بیان میں یہ الفاظ واضح طور پر کہے کہ:۔

"میرا مقصد اس نکاح سے صرف شیرازی کو اپنی جائیداد کے ترکے سے محروم
کرنا تھا میرے سامنے اس کا مستقبل نہ تھا۔ اسعد کے مقابلہ میں ممتاز
جس سے میں نے بالجبر نکاح کیا کوئی حیثیت اور وقعت نہیں رکھتا
میں نے جس کو قتل کیا میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون تھا اور قتل ہوا بھی
یا نہیں میں نے شیرازی سمجھ کر فائر کیا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں
گو اندھیرا گھپ تھا مگر نشانہ خالی نہیں گیا میں غصہ میں آپے سے باہر تھا
اور اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں مردہ شیرازی کی بھی ہڈیاں چبا لیتا

مجھے اگر پھانسی ملے یا جیل خانہ ہو تو میں اس عتبار سے بہت خوش ہوں گا کہ شیرازی کا کانٹا میری اور اس کی ماں کی جائیداد سے نکل چکا اور ہم دونوں میاں بیوی جو کچھ چھوڑ رہے ہیں یا چھوڑیں گے اس کا مالک شیراز الدولہ بلا شرکت غیرے ہے بدبخت شیرازی کی وجہ سے میری اور خاندان کی جو کچھ بدنامی ہوئی مجھے اس کا قلق ہے مگر شیراز کو جو کچھ میں دے چکا یا دے رہا ہوں۔ اس کی قیمت یہ کچھ زیادہ نہیں ہے"

دوسرے ملزم اسعد نے جو اغوا میں گرفتار تھا بیان کیا کہ۔

میں نے شیرازی بیگم کو کبھی نہیں دیکھا۔ میں ان کی صورت تک نہیں پہچانتا صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کی قابلیت کا شہرہ سنکر میں نے پیام نکاح ضرور بھیجا۔ مگر وہ اس لئے رد کر دیا گیا کہ میں غیر کفو تھا مجھے اتنا ضرور معلوم ہے اور وہ بھی مسٹر شیراز سے جو میرے ہم جماعت نہایت سچے اور سمجھدار آدمی ہیں کہ شیرازی بیگم نے ممتاز کے مقابلہ میں مجھ کو ترجیح دی اور اگر ان سے دریافت کیا جاتا اور سوسائٹی اس کو جائز سمجھتی تو وہ ضرور اپنی رائے کا اظہار کر دیتیں مجھے گو صدمہ بہت زیادہ ہوا۔ مگر جب میں نے یہ سنا کہ ان کا نکاح ان کے والدین نے ممتاز سے طے کر دیا تو میں کیا کر سکتا تھا۔ خط کا بھیجنا مجھ پر الزام ہے مجھے نکاح کے بعد کے حالات کا قطعاً علم نہیں اور نہ میں شیرازی کے قتل کے متعلق کچھ جانتا ہوں"۔

رات کی سنسان گھڑی میں جب چاندنی ہولے کے ساتھ پہاڑ پر کھیل رہی تھی لنگور چاروں طرف چھلانگیں مار رہے تھے۔ اور خود رو پھولوں کے چھتے سرسبز پتوں کو گدگدا رہے تھے ایک نوجوان دامن کوہ سے نکلا پہاڑ پر چڑھا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا ہوا بڑھا چلا پہنچے

پر پہونچکر دیکھا تو ہوا پھولوں کی خوشبو سے چادر آب کو مہکا رہی تھی۔ معطر پانی کو بوسہ دیا اور اونچی چٹان پر بیٹھ کر اپنے خیالات میں غرق ہو گیا تارے رات کے گذرنے کے گھنٹے بجا رہے تھے اور چاند منزل شب کے طے کرنے میں منہمک تھا۔ شب ماہ اپنے ہر لمحہ کی ترقی کے ساتھ ہوا کو ٹھنڈا کر رہی تھی اور آشیانوں کی مدہوش مخلوق کو جگمگا رہی تھی۔ یہاں تک کہ پہاڑی مینا کے گھونسلے میں جنبش پیدا ہوئی اور ملکہ آشیاں نے اپنی سریلی صدا سے خاموشیٔ شب کو وداع کیا۔ پہاڑ نے چادر مہتاب اپنے منہ سے ہٹائی۔ پو پھٹنے لگی اور آفتاب عالمتاب پردۂ دنیا سے نقاب شب سرکانے کو آگے بڑھا۔

نوجوان جس کی آنکھوں میں نیند کا خمار کروٹیں لے رہا تھا نیچے اترا اور ایک سمت روانہ ہو گیا۔

شہر کے دروازے پر پہونچکر اس نے حسرت بھری نظریں چاروں طرف ڈالیں۔ اور سیدھا عدالت کے کمرہ میں پہونچا۔ دونوں مقدموں کی کارروائی ختم ہو چکی تھی اور جج فیصلہ سنانے والا تھا کہ اس نوجوان نے کہا۔

واقعات جو کچھ عدالت کے سامنے آئے سرتاسر غلط ہیں۔ اگر انصاف کے نام پر مجھ کو اجازت دی جائے تو میں حقیقت کا اظہار کروں اور بے ایمانی کی جو نقاب سچائی پر ڈالی گئی ہٹا دوں۔"

کمرۂ عدالت آدمیوں سے چیونٹیوں کی طرح بھرا تھا۔ دونوں ملزم خاموش کھڑے تھے۔ اس نوجوان کی گفتگو سنتے ہی ہر متنفس سناٹے میں رہ گیا اور ہزار ہا نگاہیں اس کی طرف پہنچیں۔ چند لمحہ کا سکوت طاری رہنے کے بعد عدالت نے کہا۔

"ضرور ضرور"

نوجوان نے رومال جیب سے نکال کر اپنے منہ پر پھیرا اور کہا۔
جس طرح اسعد پر اغوا کا الزام قطعی غلط ہے اسی طرح اصفہان پر بھی قتل کا الزام

شیرازی زندہ ہے اور میں اُسے عدالت میں پیش کر سکتا ہوں جو تصویر مقتول کی لی گئی اور شامل مثل ہے وہ درحقیقت ایک ایسی لاش کی تصویر ہے جس کو قبرستان سے غائب کیا گیا۔ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ اس سازش کی تہہ میں کس کس کی شرکت ہے مگر شیرازی کو زندہ ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں اصفہان نے فائر ضرور کیا مگر خالی گیا اور جس پر فائر ہوا وہ بھی زندہ ہے اور شیرازی کی پھوپھی یا کنیز رحیمن ہے اس کی ٹانگ میں صرف ایک یا دو چھرّے لگے جن کا نشان اب اس کے جسم میں موجود ہے" اتنا کہہ نوجوان باہر نکلا اور برقع پوش لڑکی کو لا کر دکھایا کہ۔

"رحیمن جس کے پاؤں چھرّے کا نشان دے سکتے ہیں یہ موجود ہے۔

اب رہا دوسرا مقدمہ جس میں بدبخت اسعد گرفتار ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے وقت جو عورت دلہن بنی وہ یہی رحیمن تھی جس کو سوسائٹی کے دباؤ سے نہ صورت دکھانے کی اجازت تھی نہ آواز سنانے کی وہ جاہل بدبخت قوم جو انسانی زندگیوں کے فیصلے محض ایک گھونگھٹ کی ہوس پر کر دے ان سفاک قصائیوں سے کم نہیں جو بھیڑوں اور بکریوں کے سودے گلوں سے دور اپنی ضرورت کے اعتبار سے کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ کی وہ کڑی نمرود اور فرعون کی خدائی ہے جس کو علماء اسلام شرم و حیا کے لباس میں جوہر نسوانیت سے تعبیر فرما کر جزو ایمان قرار دیتے ہیں۔

اصفہان کی ہر حمایت کے باوجود مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس کی زندگی دنیائے اسلام کے واسطے باعث ننگ ہے لڑکی یا لڑکے کی پیدائش اس کا اپنا فعل نہیں عقل صحیح بتا سکتی ہے اس کی ذمہ داری باپ اور ماں پر ہوگی جب یہ حقیقت ہے تو وہ باپ اور وہ ماں جو لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دے ایمان سے ہزار کوس دور ہے اصفہان کی یہ نیت کہ وہ شیرازی کو محروم کر دے   لاریب قابل ملامت ہے۔ کفویت کی لغویت اکابے ایمانی کی ایک شاخ ہے اصفہان کا لڑکا شیراز جو باپ کی اس نامعقول حرکت

سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ زندگی بھر باپ کو منہ نہ دکھائیگا اور اس جائیداد و ملکیت کو آگ لگائیگا" اور جس کو صرف باپ کی گرفتاری اور الزام قتل یہاں لے آیا میرے بیان کی حرف بحرف تصدیق کر سکتا ہے "

نوجوان یہاں تک پہونچکر دفعتاً کمرہ عدالت کی پشت میں گیا اور چند منٹ بعد باہر نکلا اصفہان کے قدموں کو بوسہ دے کر اُٹھا اور عدالت سے کہا۔

" شیرازی میں ہوں میرا باپ اور غریب اسعد دونوں بے گناہ ہیں "

عدالت میں سانس تک کی آواز نہ تھی۔ اور ہر آنکھ اصفہان کی لڑکی شیرازی کے چہرے پر تھی جس کی آنکھ سے زار و قطار آنسو جاری تھے اس نے ہاتھ جوڑ کر باپ سے کہا آبا جان! حاشا و کلا مجھے آپ کے ترکہ کی پرواہ نہ تھی۔ مگر میری جبریہ شادی نے دنیا سے میرا دل اچاٹ کر دیا۔ اور میں فیصلہ کر چکی تھی کہ بقیہ زندگی کسی جنگل یا پہاڑ پر بسر کر دوں گی میں نے اپنی عمر کے آٹھ مہینے دامن کوہ میں گزار دیئے قدرت کی گوناگوں نعمتوں نے فراخ حوصلگی سے میرا استقبال کیا اور جو لطف مجھ کو تنہائی میں میسر آیا وہ دنیا میں نہ تھا۔ آپ نے مجھ کو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور جس طرح قدرت نے گوشت کے لوتھڑے کو انسان بنایا اسی طرح آپ نے مجھ سے دماغ کو احساس کی طاقت بخشی مجھے پورا یقین ہے کہ معاملہ بے نقاب ہونے کے بعد اب آپ اور اسعد دونوں رہا ہو جائینگے میں آج بھی یہ نہیں کہہ سکتی کہ آپ کی شفقت پدری کا معاوضہ ادا کر سکی میں اب رخصت ہوتی ہوں آپ اس کے بعد میری صورت نہ دیکھیں گے گھر پر پہونچکر اماں جان کی خدمت میں میری طرف سے آداب کہہ دیجئے۔ اور فرما دیجئے آپ کا مال و دولت بھائی شیراز اور ان کی بہن کو مبارک ہو شیرازی اس کی خواستگار و طلبگار نہیں "

اس قدر کہنے کے بعد شیرازی کی آواز رکی اس نے دم لیا اور پھر باپ کی طرف دیکھکر کہا کہ اس بدنصیب اسعد نے میرے نکاح کا پیام دے کر جو مصیبت اُٹھائی وہ ہوسکتی

کی عنایت وکرم ہے۔ میں اپنے اس بھائی سے جس کی میں نے صرف آج صورت دیکھی اور جو میرا شوہر ہونے کا خواہش مند تھا اور جس کی التجا درست اور جس کا جذبہ صحیح تھا نادم ہوں۔ افسوس میں اس کی تکلیف کا کوئی معاوضہ نہیں کر سکتی مگر میری رائے میں وہ لڑکی جس کے ہاتھوں خاندان کی اس طرح بدنامی ہو زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتی۔ بالخصوص جب اس کی بدولت صرف نکاح کا پیام دینے پر ایک شخص ان مصائب کا شکار ہو۔ میں بھائی اسعد سے بھی بمنت معافی کی خواستگار ہوں۔"

چھری کے ایک کھٹکے کی آواز کانوں میں آتے ہی جو شیرازی نے اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ میں بھونکی کمرہ عدالت اس کے خون سے سرخ ہو گیا۔ اور چند لمحات کے بعد شیرازی اس دنیا میں نہ تھی۔

حضور والا ہماری اُمت میں اس سے بہتر انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔ اب میں بصد ادب ملتجی ہوں کہ دستِ مبارک سے تمغہ اس کو مرحمت ہو۔"

جس وقت افواجِ خداوندی کا سپہ سالار میکائیل یہ واقعات بیان کر رہا تھا تو اس کی آنکھ سے شعلے بلند ہو رہے تھے اور جسم کا کوئی حصہ نہ تھا جہاں سے آگ کی چنگاریاں نہ نکل رہی ہوں۔ ملاء اعلیٰ کی ہر شے اس وقت ساکت تھی حتیٰ کہ دودھ اور شہد کی نہریں بھی خاموشی سے اس کا منہ تک رہی تھیں۔ طیور اپنی راگنیاں بھول چکے تھے۔ ہوا اپنی موسیقی ختم کر چکی تھی۔ اور فلک چہارم سے لے کر جہاں یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا عرش معلیٰ تک سناٹا طاری تھا۔ صرف ایک موقع پر جب میکائیل بلال عزازیل کی تصویر الفاظ میں اتار رہا تھا۔ حوروں کے ایک دستے نے لعنت اللہ [illegible] کے نعرے بلند کئے مگر فاضل مقرر کے جسمانی شعلے اس صدا پر اور تیز ہوئے اور اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"کیا دنیاوی مسلمانوں کی طرح اب تمہارے پاس بھی صرف تصنیف [illegible] رہ گیا ہے"

اور سمجھتی ہو کہ جاہل عورتوں کی طرح تمہارے کوسنے بھی طاقتور ہستیوں کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں
تم مجھکو معاف کرنا اگر میں کہوں کہ تمہاری لعنت سے بہت بڑھی ہوئی لعنت بھی جو حاکم
حقیقی کی طرف سے شیطان پر بھیجی گئی اس کا بال بیکا نہ کر سکی۔ اگر تم کو حقیقتہً اس سے
نفرت ہے اگر مالک حقیقی کے حقوق کا تم کو احساس ہے تو جنت کی بے فکری کو بالائے
طاق رکھو مقابلہ کے واسطے باہر نکلو۔

"کامیاب ہو یا فنا ہو جاؤ"

مینائیل کی اس ڈانٹ نے ہر آسمانی ذی روح کے طیش کو آنسوؤں سے بدل
دیا۔ بساط فلک پر مخلوق خاک کی آنکھوں سے ایک خاموش دریا کے قطرے
بہہ رہے تھے۔

خود مینائیل اپنی ناکامی پر کچھ دیر رومال آنکھوں پر رکھ کر رویا اور اس کے بعد کہا۔
عزازیلی تزک و احتشام لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہا ہے۔ شاید تم کو معلوم نہیں کہ آج کا
عزازیل حضرت آدم کا عزازیل نہیں ہے وہ اپنے ہر قول اور فعل میں ہمارے
خدائے عز و جل کا مقابلہ کر رہا ہے۔ باوجود اس تمام سرکشی کے وہ اتنی قدرت رکھتا
ہے کہ وہ اور اس کی اُمت کا ہر فرد انسان کی نگاہ سے اوجھل رہے۔

جب عزازیلی وزیر جنگ ساتوں تصویریں دربار شیطانی میں پیش کر چکا تو دیباد
حریر کا ایک ایسا پردہ اسٹیج پر ڈال دیا گیا جو جواہرات میں لپا ہوا تھا تخت عزازیلی
اور جواہر نگار کرسی، چاند کی طرح جگمگا رہے تھے کہ دوسرے وزیر نے اس طرح تقریر کی۔
معزز مہمانوں! میں بحیثیت ایک ادنیٰ غلام کے شیطنت حضور کا فیصلہ سناتا
ہوں۔ مجھے امید ہے کہ نہ صرف ہماری اپنی اُمت بلکہ وہ تمام حضرات جواب تک حضور
پر ایمان نہیں لائے اس تبصرہ کو سر آنکھوں پر رکھیں گے حضرت شیطان کی ارفع و
اعلیٰ ذات پورا یقین رکھتی ہے کہ آئندہ کانفرنس میں جو ایک صدی بعد منعقد ہوگی۔

دنیا اچھی طرح دیکھ لے گی کہ مذہب ایک ڈھکوسلا ہے اور زندگی کی کامیابی کا راز
مذہب سے دور ایمان سے الگ ' انصاف سے پرے ' صرف ان الفاظ میں ہے "
کل کا دن گزر گیا آج کا دن موجود ہے اور اس زندگی میں آئندہ کا کل فضول ہے "
میں تبصرہ شیطنت حضور کے ارشاد کی تعمیل میں شروع کرتا ہوں مگر اس سے پہلے کہ
فیصلہ صادر ہو نہایت ضروری ہے کہ میں حسب الحکم ' وزیر جنگ کا شکریہ ادا کروں جس نے اس
قدر محنت شاقہ کی اور ایسی بے مثل تصاویر پیش کیں میری دعا ہے کہ شیطنت حضور کی
برکت سے آئندہ صدی میں ہر مسلمان خدا کے پھندے سے نکل کر حضرت شیطان کے مریدوں
میں شامل ہو۔

شیطنت حضور خداوند عزازیل کا تبصرہ

ہماری شیطنت وزیر جنگ کی قابل قدر خدمات سے بہت خوش ہے اس کا
انتخاب ثابت کر رہا ہے کہ اس نے انسانیت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور یہ
ساتوں انسان جن کی تصویریں ہمارے سامنے آئیں کچھ شک نہیں بعض اعتبار سے
بے مثل سمجھے جا سکتے تھے مگر جہاں تک ہماری شیطنت کا تجربہ ہے یہ دو وقت ہے کہ
وزیر جنگ نے جن لوگوں کو مستحق انعام خیال کیا وہ عدیم النظیر نہیں اور ہماری
کوششیں بالخصوص مسلمانوں میں اس حد تک بار آور ہو چکی ہیں کہ سو برس ہر مسلم
دور کی تو درکنار ہر خاندان بلکہ ہر گھر ایسے لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور اس لئے وزیر
جنگ کی محنت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہماری شیطنت یہ کہنے پر مجبور ہے کہ تمغہ
شیطانی کا جائز حق صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کی خدمات اس قوم میں اپنا
جواب نہ رکھتی ہوں۔
پہلی تصویر ایک مرد کی ہے جو مفتی ہے اور نماز روزہ کا نہ صرف پابند بلکہ متقی ہے

اس کی ایک عزیز بڑھیا ماما کی حیثیت سے اس کے ہاں کام کرتی ہے اس کی لڑکی فرزانہ بھی بڑھیا کی مددگار ہے۔ بڑھیا مفتی صاحب کو بزرگ نمازی پرہیزگار سمجھ کر فرزانہ کے نکاح کا معاملہ ان کے سپرد کر دیتی ہے اور یہ ذات شریف تنخواہ کی شرطیں پیش کر کے معاملہ کو اڑا کر اس پیام کو قابل اطمینان سمجھ اپنی بھتیجی کی شادی کر دیتے ہیں اور بڑھیا منہ تکتی رہ جاتی ہے۔

وزیر جنگ کا انتخاب قابل داد ہے مگر کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اس قسم کے لوگوں کی کمی ہے۔ وہ اگر مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہو کہ مسلمانوں کی بہت کم شادیاں ایسی ہونگی جن میں دوسرے مسلمانوں کی یہ کوشش نہ ہو کہ کسی طرح اس پیام کو خاک میں ملا دیں۔ اب رہا مفتی صاحب کا تقدس اور یہ کارنامہ خوشی کی بات ہے کہ آج اس قوم میں ایسے مقدس افراد کا وجود بہت کافی ہے اور ہماری شیطنت کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی مقدس مسلمان کا ان نقائص سے پاک ہونا تعجب انگیز ہوگا تاہم وزیر جنگ کی سفارش پر ہماری شیطنت کی طرف سے اظہار خوشنودی کیا جاتا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ مفتی صاحب کے اعمال میں عنقریب کوئی ایسا خوشگوار اضافہ ہوگا جس پر مسلمان قوم ہمیشہ فخر کرے۔

دوسری تصویر خاں صاحب کی ہے جو اپنی زندگی شیخ چلی کی حیثیت سے بسر کر رہے ہیں۔ امرا اور روسا، حکام اور انگریزان کو محض ہنسی اڑانے کے لئے اپنے جلسوں میں بلاتے ہیں۔ ان کی بیوی رضیہ پکی مسلمان ہے اس لئے کہ شبرات کے دن سوتیلے بچے فہیم پر اس جرم میں کہ اس نے اپنے بچے کو آتشبازی چھوڑتا ہوا دیکھ کر ایک پھلجھڑی ماں سے مانگی تو جلتی ہوئی چھچھوندر اس طرح پھینکی کہ بچہ جل گیا اور بینائی نکل آئی۔ وزیر جنگ اس کو اس قابل سمجھتا ہے کہ تمغۂ شیطانی عطا ہو۔ ہماری شیطنت وزیر جنگ کی اس سفارش پر متعجب ہے کیا خاں صاحب جیسے مسلمان ہی ہر دو عمر ان کی خوشامدیں

پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمانوں میں مفقود ہیں؟ غالباً وزیر جنگ کا مطالعہ وسیع نہیں ورنہ ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوتا۔ رضیہ کا سوتیلے بچے سے یہ سلوک وزیر جنگ کی طبیعت کو کمزور ثابت کر رہا ہے کہ اس معمولی واقعہ سے وہ اس قدر متاثر ہو گیا کہ اس کو ہمارے سامنے پیش کرنے کے قابل سمجھا۔ وزیر جنگ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ واقعہ قابل بیان ہی نہیں اور مسلمان سوتیلی ماؤں کے کارنامے ہماری شیطنت کی رائے میں اس قدر کامیاب ہیں کہ اب ہماری ذریات کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اور ہماری کوششیں اس سلسلہ میں پوری طرح کامیاب ہو گئی ہیں ان حالات میں یہ تصویر ہمارے سامنے سے علیحدہ کر دینی چاہئے امید ہے کہ وزیر جنگ آئندہ انتخاب میں زیادہ احتیاط کرے گا۔

تیسری تصویر ناکڑے والی بہری کی ہے، اس عورت کے واقعات جو بیان کئے گئے اس لئے سننے کے قابل ہیں کہ یہ مسلمان عورتوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے اور ابھی عام طور پر مسلمان عورت اس کی مانند خدا سے منحرف نہیں ہوئی مگر اس کے کاموں میں بھی کوئی کام قابل ستائش نہیں ایسی خدمات ہماری شیطنت کی فضا میں ہماری امت کی دوسری عورتیں بھی کم و بیش انجام دینے والی موجود ہیں البتہ پیر جی کے سلسلہ میں جو خدمات اس نے انجام دیں وہ ضرور توجہ کے قابل ہیں اس لئے ہماری شیطنت اس سے خوش ہو کر یہ اپنے مبارک ہاتھ کا رومال بطور یادگار عطا فرماتی ہے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ اپنی موت سے پہلے اپنی جیسی بہت عورتیں پیدا کر جائے۔

(چیرز - چیرز - چیرز)

ہماری شیطنت اس موقعہ پر اپنے وزیر کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے۔

چوتھی تصویر ایک شخص شمس کی ہے جو سجادہ میں پلا ہے اور باغ میں

لیٹا ہائے ہائے کر رہا ہے۔ اس کی چار سالہ بچی قمر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے
اس کا سر دبا رہی ہے سانپ نکلتا ہے اور چاہتا ہے کہ شمس کو ڈسے مگر قمر اس کو
پکڑ لیتی ہے اور باپ کو بچاتی ہے سانپ بجائے شمس کے قمر کو کاٹتا ہے اور وہ مر جاتی
ہے اس کے معصوم جذبہ محبت کو باپ ٹھکرا دیتا ہے اور اس بچی کی تعزیت سے اس
لئے خوش ہوتا ہے کہ یہ اس کی دیرینہ آرزو تھی اور وہ باپ بننے کی ذمہ داریوں سے آزاد
ہونے کا خواہش مند تھا۔

ہماری شیطنت شمس کے اس فعل سے خوش ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی مسلمانوں
میں ہم ایسے باپ زیادہ پیدا نہ کر سکے جو اپنی اولاد کو ہمارے نام پر قربان کر دیں۔ مگر خوشی
کی بات ہے کہ ہمارے دشمن خداوند کے بندوں میں بھی ایسے افراد بہت کم ہیں اس
لئے ہماری شیطنت شمس کی شکر گزار ہے اور یہ گلاب کا پھول جس کو ہمارے ہاتھ میں
رہنے کا فخر حاصل ہے مرحمت ہوتا ہے۔ (چیرز - چیرز - چیرز -)

پانچویں تصویر میں میاں بیوی کے تعلقات شوہر کے متعلق معمولی باتیں
ہیں اور ہماری شیطنت نہیں سمجھ سکتی کہ وزیر جنگ نے ایسی خرافات پر کیوں توجہ کی
اس کو سمجھنا چاہئے کہ مسلمان مرد عورت کے حقوق تباہ و تاراج کر چکے اور ان پر
ہماری کوششوں سے اب اتنا غالب ہو چکا کہ شاید دس فی صدی عورتوں کو بھی
مشکل وہ حقوق حاصل ہوں گے جو ان کے خداوند نے مرحمت کئے ہیں اس وقت نوے فیصدی عورتیں
ہماری امت میں شامل ہیں اور عورت کی اتنی پلید کر دی ہے کہ ہمکو ان کی طرف سے
پورا اطمینان ہے اور ہمکو اندیشہ بھی نہیں کہ وہ اس راستہ سے بھٹکنے پائیں ہماری شیطنت
کو اس سلسلہ میں اس طمان کی قدر کرنی چاہئے جس نے شیطنت کی حیثیت سے قرآن اور
حدیث کو روندا اور سنت کو بھول کر سوسائٹی کی ضروریات کو مقدم سمجھا اور خلع کو جو خدائی
فیصلہ تھا اپنے قلم سے کاٹ کر ہماری امت میں داخل ہوا ہماری شیطنت وزیر جنگ سا

کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ ہمارا شکریہ اس قسم کے مسلمانوں تک پہونچا دے۔

(چیرز - چیرز - چیرز -)

چھٹی تصویر۔ نواب قمر زمانی بیگم کے واقعات میں صرف دو باتیں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں۔

قمر کی جہالت پر ابدولت کو بے انتہا ہنسی آئی اور ہماری شیطنت اپنی تمام ذہانت کو ہدایت کرتی ہے کہ جہاں وہ مسلمان عورتوں کو گمراہ کرنے میں انتہائی کوشش کر رہے ہیں وہاں ان کا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا انتظام نہ ہونے پائے اور وہ جب کبھی اس قسم کے چرچے سنیں تو فوراً کسی نہ کسی قسم کے روڑے اٹکائیں۔

قمر کا شرک ہمارے دلی شکریہ کا یقیناً مستحق ہے اور ان پانچوں تصویروں سے زیادہ مستحق ہے، (چیرز - چیرز - چیرز -)

کہ اس نے کسی موقعہ پر خدا کو یاد نہ رکھا اور ہر معاملہ میں ہم سے مدد چاہی۔ آٹھویں دن کا چڑھاوا، ایک پھل کا چھوڑنا، یہ تمام کام ایسے ہیں کہ وہ پوری مشرک ہو کر خدا کی حدود سے باہر نکلی اور ہماری مملکت میں داخل ہوئی (تالیاں زور سے تالیاں)

ہم اپنی امت کی اس قابل فخر عورت کے ہمیشہ ساتھ ہیں اور ہر وقت اس کو مدد دیں گے۔

وزیر جنگ سے خواہش کی جاتی ہے کہ ہماری طرف سے یہ پھولوں کا گلدستہ قمر زمانی بیگم کی خدمت میں شکریہ کے طور پر پیش کرے۔

(چیرز - چیرز - چیرز -)

ساتویں تصویر سے پہلے یہ کہنا ضروری ہے کہ ملا جی سے ہماری شیطنت بہت خوش ہوئی کہ وہ ہماری جنت میں تشریف لائے اور اپنے تقدس کو گنوا کر ہماری

حوروں کے ہمنوا ہوئے۔

ساتویں تصویر (اصفہان کی) ہر اعتبار سے یہ حق رکھتی ہے کہ ہماری ذریات اس کو سجدہ کرے۔ اور سر آنکھوں پر رکھے۔ اس نے ہمارے حقیقی دشمن خدا وند کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور ترکہ کی خدائی تقسیم کو برباد کرنے میں جو کوششیں کیں وہ ہر شیطان کی طرف سے مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اس نے کفو وغیرہ کی شرطیں لگا کر جو تجویزیں کیں ہماری شیطنت اس سے بیحد خوش ہوئی۔ اس نے محض اپنی برادری کو خوش کرنے کے لئے، اس نے صرف اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے واسطے، اپنی جائیداد کو اپنے بچے کی خاطر محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں جس طرح اپنی بچی شیرازی کو قربان کیا اس کی نظیر کم ملے گی۔ یہ ہماری اُمت کا ایسا فرد ہے جس کو ہم فخر سے ہر جگہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس نے خدا کو ٹھکرایا، رسول کو جھٹلایا، اور ایک زندہ روح کو جو بیٹی کی حیثیت میں اس کے پاس امانت تھی اپنے خاندانی رواج پر قربان کر دیا۔"

(چیرز۔ چیرز۔ بہت زیادہ چیرز۔)

اصفہان "تمغہ شیطانی" کا مستحق ہے اور ہماری شیطنت کو اشد ضرورت ہے کہ ہماری اُمت میں اصفہان جیسے باپ پیدا ہوں جو اپنی برادری کی ضرورت پر نہ صرف خدا اور رسول کو قربان کر دیں بلکہ اپنی لڑکیوں کو اُلٹی چھری سے ذبح کر کے ہم کو دورِ جہالت کا تماشہ ایک دفعہ اور دکھا دیں اور دنیا کو یقین آجائے کہ اس طرح قبل از اسلام بدبخت اور جفا شعار باپ زندہ لڑکیوں کو دفن کرتے تھے۔

"ختم شد"